نقشِ حق

(فلسفۂ عشق و ایمان)

محمد اکبر منیر

اقبال اکادمی پاکستان

نقشِ حق

(فلسفۂ عشق و ایمان)

محمد اکبر منیر

اقبال اکادمی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
ناظم
اقبال اکادمی پاکستان
چھٹی منزل، ایوان اقبال، لاہور

طبع اول : ۱۹۹۶ء
تعداد : ۵۰۰
قیمت : ۸۰/- روپے
روپے

مطبع : مازن پرنٹرز، نبست روڈ، لاہور

محل فروخت : ۱۱۶ - میکلوڈ روڈ، لاہور فون : ۷۳۵۷۲۱۴

فہرست

ضروری نوٹ	الف
مقدمہ	۷

فصل اول

نور ایمان	۲۱

فصل دوم

آفتاب حقائق	۳۳

فصل سوم

بزم عشق	۳۸

فصل چہارم

شمشیر شہادت (شواہد شعر فارسی)	۴۳

فصل پنجم

شواہد شعر اردو	۶۰
خاتمہ	۷۴
ضمیمہ	۷۷
خطوط کے عکس	۹۵

ضروری نوٹ

پروفیسر اکبر منیر مرحوم کا شمار اردو اور فارسی کے ممتاز شعراء اور معروف علمی و ادبی شخصیات میں ہوتا ہے۔ ۱۸۹۵ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ طالب علمی کے دور میں انہیں دیگر شخصیات کے علاوہ مولوی میر حسن اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسی عظیم ہستیوں کی شاگردی کا شرف بھی حاصل رہا۔ ۱۹۱۹ء میں عربی میں ایم اے کرنے کے بعد بغرض سیاحت بیرون ملک چلے گئے۔ پانچ برس بلاد اسلامیہ کی سیاحت میں گزارے جن میں بحرین، شیراز، اصفہان، تہران اور بغداد شامل ہیں۔ ۱۹۲۴ء میں وطن واپس آکر محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوئے۔ گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان کے بعد ہوشیار پور میں بھی تعینات رہے۔ ۱۹۵۱ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد زمیندارہ کالج گجرات میں بھی پڑھاتے رہے۔

علامہ اقبال سے ان کا نیاز مندانہ تعلق اور دوستی کا رشتہ ۱۹۱۸ء میں قائم ہوا جو ۱۹۳۸ء میں علامہ کی وفات تک قائم رہا۔ دونوں شخصیات کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ بھی رہا۔ یہ خطوط مکاتیب اقبال اور اقبالنامہ (جلد دوم) میں شائع ہو چکے ہیں۔

پروفیسر اکبر منیر کی فارسی شاعری کا آغاز ان کے قیام ایران کے دوران میں ہوا۔ یہ نظمیں موقر ایرانی جریدوں "عصر آزادی" اور "استخر" وغیرہ میں شائع ہوتی رہیں اور ایرانی نقادان فن سے داد پاتی رہیں۔ بعدازں "معارف" میں ان کی اشاعت مکرر ہوتی رہی۔

۱۹۲۸ء میں ان کا فارسی مجموعہ کلام "ماہ نو" شائع ہوا جسے اس دور کی تقریباً تمام ممتاز ادبی و علمی شخصیات نے بے حد سراہا۔ بعدازاں انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسوں میں پڑھی گئی دو طویل نظمیں "جبریل و ابلیس" اور "لالہ صحرا" شائع ہوئیں۔ اردو مجموعہ کلام (مہر منیر)، اردو مضامین کا مجموعہ، مقالہ سیرت اور مراسلت اقبال و منیر کی اشاعت جلد متوقع ہے۔

ان کا اپنے دور کی بیشتر معروف ادبی اور علمی شخصیات سے قریبی تعلق رہا جن میں علامہ اقبال کے علاوہ سید سلیمان ندوی، سر شیخ عبدالقادر، بابائے اردو مولوی عبدالحق، میاں بشیر احمد (ہمایوں)، مولانا ظفر علی خان، چوہدری خوشی محمد ناظر، مولانا حامد علی خان، سید سجاد حیدر یلدرم، ن م راشد، مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالمجید سالک، سید عطا اللہ شاہ بخاری، پروفیسر حمید الدین، جلال الدین

اکبر، غلام رسول ازہر اور پروفیسر سعید نفیسی اور ایرانی شخصیات میں آقای یوسف اعتصام الملک، خانم پروین اعتصامی، ملک الشعراء بہار، آقای کمالی اصفہانی، داود یزدی، آقای صدر الدین محلاتی جیسی شخصیات شامل ہیں۔ یہ گرامی شخصیات پروفیسر اکبر منیر مرحوم کی شاعری اور تحقیقی کاموں کی معترف تھیں جس کا اظہار مرحوم کے نام ان شخصیات کے خطوط یا ان کے بارے میں لکھی گئی تحریروں سے بخوبی ہوتا ہے۔

ان کا کلام اپنے دور کے ممتاز علمی و ادبی جریدوں ہمایوں، مخزن، کہکشاں، معارف، زمیندار، ستارہ صبح، انقلاب، پیام اسلام، نوائے وقت، چٹان، اختر اور عصر آزادی وغیرہ میں شائع ہوتا رہا۔ کشمیر سے انہیں خصوصاً بہت لگاؤ تھا جس کا اظہار کشمیر اور اس کی آزادی کے حوالے سے ان کی نظموں سے ہوتا ہے۔ انتقال اکتوبر ۱۹۸۱ء میں ہوا۔

فکر اقبال کی توضیح میں لکھا گیا یہ مقالہ "نقش حق" ۱۹۳۲ء میں ماہنامہ "پیام اسلام" میں شائع ہوا۔ اگلی اشاعت میں اس کا ضمیمہ چھپا۔ اسی سلسلے میں مصنف سلیمان ندوی سے مراسلت بھی ہوئی۔ یہ مقالہ اور ضمیمہ اور اس حوالے سے سید صاحب کے خطوط (جن میں انہوں نے اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا) اس کتاب میں یکجا کر دیے گئے ہیں۔ یہ کام مرحوم کے صاحبزادے ازہر منیر نے سرانجام دیا جو ان کی دیگر تصانیف کی اشاعت اور شائع شدہ کتب کی اشاعت مکرر کا اہتمام کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ؕ

(بنی اسرائیل : ۸۱)

چیست دیدارِ خدائے نُہ سپہر + آنکہ بے حکمش نگردد ماہ و مہر

نقشِ حق اوّل بجان انداختن + باز اُو را در جہان انداختن

نقشِ جان تا در جہان گردد تمام + می شود دیدارِ حق دیدارِ عام

نقشِ حق داری ؟ جہان نخچیر تست + ہم عنان تقدیر با تدبیر تست

(اقبالؒ ؛ جاوید نامہ)

نقشِ حق

ظلمتِ باطل میں ہے خنجرِ مردانِ حق + حُسنِ رُخِ آفتاب ، نُورِ دلِ باماد

مردِ مجاہد جری ، خوف و طمع سے بری + پاک نگہ ، پاک دل ، پاک رواں پاک زاد

عشق ہے حق کا فسوں ، عشق ہے حق کا جنوں + عشق کے خنجر سے ہے عقدۂ دل کی کشاد

حق کی شہادت ہے عشق ، حق کی رفاقت ہے عشق + عشق ہے ذوقِ نماز ، عشق ہے ذوقِ جہاد

مردِ مجاہد ہے تُو ، حق کا پرستار ہو + عشق کی گفتار ہو ، عشق کی کردار ہو

(لالۂ صحرا)

عشقِ حق

زعشقِ حق اگر دیوانہ گردی + بجانِ عاشقان فرزانہ گردی
بیای و عاشقِ آن جانِ جان شو بجانِ تو کہ خود جانانہ گردی

نگاہ از عشقِ حق شمشیر گردد جہانِ آب و گِل نخچیر گردد
بیا خود را درین آتش بنیداز کہ مُشتِ خاکِ تو اکسیر گردد

(منیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیثِ عشق و سرِ مستی ز من بشنو نہ از واعظ

کہ با جام و سبو ہر شب قرینِ ماہ و پرویم (حافظؔ)

انجمن حمایت اسلام لاہور کے "جشن جوبلی" کے موقع پر دسمبر ۱۹۳۸ء میں "لالۂ صحرا" کے عنوان سے میں نے ایک اردو نظم پڑھی جسکا موضوع عشق و ایمان تھا۔ اسمیں شاعرانہ زبان اور شاعرانہ انداز میں ایمان اور مومن کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، اور مقصود یہ ہے کہ مسلمان اس حقیقت کو پالیں کہ ایمان کا جوہر محبت الٰہی ہے جسے صوفیہ کرام اور شعراء ربانی عشق سے تعبیر کرتے ہیں، اور پھر جادۂ شریعت کو محبت سے طے کریں اور اس راہ کے شدائد و محن کو خندہ پیشانی سے برداشت کر کے مال و جان کی قربانی محبت سے پیش کر سکیں۔ نظم مذکور انھی دنوں روزنامہ "انقلاب" لاہور کے سنڈے ایڈیشن میں شائع ہوئی اور بعد میں انجمن کی روئداد میں بھی چھپ گئی۔ حال ہی میں "انجمن مدرسۃ البنات جالندھر شہر" نے اس نظم کو ایک نہایت نفیس اور دیدہ زیب کتابچہ کی شکل میں شائع کیا ہے۔ ہمارے زمانے میں علمی و ادبی ذوق کا فقدان عام ہے، شاعرانہ زبان و انداز بیان سے عام انگریزی خواں طبقہ بکلی ناآشنا ہے، اور اسلامی تعلیمات کی روح سے ناواقفی تو عالمگیر ہے۔ بعض عزیزوں اور دوستوں کو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ لفظ عشق کو محبت الٰہی کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، نہیں بلکہ عین ایمان کا مرادف ٹھیرایا ہے۔ بعض صاحبوں نے تو لفظ عشق کے استعمال کے جواز و عدم جواز اور خطا و صواب کی بحث چھیڑ دی، اور سرے سے اسکے استعمال ہی کو خطا قرار دیا ؎

چو بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطاست + سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

بہرحال چند عزیز طالب علم دوستوں نے خواہش ظاہر کی کہ اس موضوع پر ایک مقالہ لکھا جائے جس سے اس مسئلہ کی وضاحت ہو جائے۔ چونکہ میں ان دنوں "روح قرآن و تصوف اسلام" کے عنوان سے انگریزی اور اردو دو زبانوں میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں جس کا ایک حصہ اسی "عشق و ایمان" کے موضوع سے متعلق ہے لہٰذا میں نے عزیزانِ موصوف کی اس خواہش کو بخوشی منظور کر لیا، اور مخدوم و مکرم قبلہ مولانا عبدالحق عباس صاحب کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے از رہ عنایت مجلہ "پیام اسلام" کا ایک پورا نمبر اس مقالے کے لئے وقف کر دیا۔

عشق و ایمان کا مسئلہ قرآن پاک اور تعلیمات اسلامی کی رُوح ہے اور اتنا وسیع ہے کہ کائنات کی ہر شے پر محیط

ہے۔ میں اس مختصر مقالے میں صرف یہ کوشش کرونگا کہ ایمان کی حقیقت اور مومن کے خصائص واضح ہو جائیں اور عشق کے متعلق اُن اساتذۂ شعراء کے کافی اشعار نقل کر دیے جائیں جنکا کلام اس بارے میں سند کا حکم رکھتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے فارسی اور اُردو اشعار زیادہ تعداد میں نقل کرونگا تاکہ قارئین کرام یہ خیال نہ کریں کہ قدماء نے جو لکھا سو لکھا اب زمانہ بدل چکا ہے، اسلئے اس رَے کو بڑھانا نہیں چاہیئے کیونکہ یہ بے وقت کی راگنی ہے۔ فطرت انسانی وہی ہے، زندگی کی حقیقت وہی ہے، اور حقیقی شاعر زندگی کے حقائق ثابتہ سے کبھی روگردانی نہیں کر سکتا۔

میرا مقصود دماغوں کو مرعوب اور زبانوں کو ساکت کرنا نہیں بلکہ یہ آرزو ہے کہ دلوں میں راہ پیدا کر کے ایمان کی تخم ریزی کر سکوں تاکہ عمل صالح کے کشت زار لہلہانے لگیں۔ ایمان کے متعلق قرآن پاک کی آیات اور عشق کے متعلق شعراء کے اشعار اتنی تعداد میں درج کر دیئے ہیں کہ ہر شخص اُن کو سمجھ کر اس موضوع کے بارے میں اپنے نتائج خود اخذ کر سکتا ہے۔ میں نے اس بات کی کوشش نہیں کی کہ باغ کے پھلوں اور پھولوں کے اوصاف بیان کرنے میں زیادہ وقت صرف کروں، بلکہ خود باغ کے دروازے کھول دیئے ہیں تاکہ اسمیں داخل ہو کر ہر کوئی اپنی استعداد کے مطابق نگاہ کو نُور، قلب کو سرور اور کام و دہن کو لذت سے بہرہ اندوز کر سکے۔

یہ مقالہ ایک مقدمہ، پانچ فصلوں، اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، بہ تفصیل ذیل :-

مقدمہ: ایمان اور عشق و محبت کے متعلق چند متفرق تمہیدی باتیں۔

فصل اول: نورِ ایمان : ایمان اور مومن کی حقیقت۔

فصل دوم: آفتاب حقائق: تاریخی اور مذہبی حقائق کے متعلق اشارات: فصل اول کے مباحث کی تشریح و توضیح و تصدیق۔

فصل سوم: بزم عشق: مجاز و حقیقت۔

فصل چہارم: شمشیر شہادت (شواہد شعر فارسی) اس فصل میں مندرجہ ذیل نو شاعروں کا وہ کلام ہے جسمیں لفظ عشق کا استعمال ہے یا اسکی تشریح ہے:- سنائی، عطار، رومی، سعدی، عراقی، خسرو، حافظ، جامی، اقبال۔

فصل پنجم: شمشیر شہادت (شواہد شعر اردو) اس فصل میں چار اُردو شاعروں کا کلام ہے: درد، غالب، حالی، اقبال۔

خاتمہ: خلاصۂ مطالب، اور نظم "لالۂ صحرا" کے متعلق چند اشارات۔

اس مقالے کی ترتیب کے دوران میں کتب ذیل میرے پیشِ نظر رہیں :-

(۱) قرآن مجید -
(۲) ترجمان القرآن (حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ)
(۳) حجۃ اللہ البالغہ (حضرت شاہ ولی اللہؒ)
(۴) التفہیمات الالٰہیہ (" ")
(۵) دعوۃ الرسل الی اللہ تعالیٰ (محمد احمد العدوی)
(۶) الذریعہ الی مکارم الشریعہ (علامہ راغبؒ اصفہانی)
(۷) احیاء علوم الدین (امام محمد غزالیؒ)
(۸) الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی (علامہ ابن قیم)
(۹) صراط مستقیم (فارسی): (حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ)
(۱۰) فیہ ما فیہ (فارسی): ملفوظات حضرت مولانا رومیؒ
(۱۱) الجامع الصغیر (حافظ جلال الدین السیوطیؒ)
(۱۲) بستان العارفین (علامہ حافظ ابوزکریا النووی)
(۱۳) مقدمہ (علامہ ابن خلدون)

---

(۱۴) حدیقۃ الحقیقۃ (حکیم سنائیؒ غزنوی)
(۱۵) منطق الطیر (عطارؒ)
(۱۶) مثنوی (رومیؒ)
(۱۷) دیوان شمس تبریز (رومیؒ)
(۱۸) بوستان (سعدیؒ)
(۱۹) دیوان عراقی
(۲۰) مثنوی عشاق نامہ (عراقی)
(۲۱) کلیات دواوین خسرو (امیر خسروؒ دہلوی)
(۲۲) دیوان حافظؒ
(۲۳) دیوان جامیؒ
(۲۴) یوسف زلیخا (جامیؒ)
(۲۵) مثنوی اسرار و رموز (اقبالؒ)
(۲۶) پیام مشرق (")
(۲۷) زبور عجم "
(۲۸) جاوید نامہ "
(۲۹) ارمغان حجاز "

---

(۳۰) دیوان غالب
(۳۱) دیوان حالی
(۳۲) بانگ درا (اقبالؒ)
(۳۳) بال جبریل "
(۳۴) ضرب کلیم "

محمد اکبر منیر

مقدمہ

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝
(آل عمران : ۱۶۹)

ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(حافظؔ)

آدم فانی کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ اُسے بقا حاصل ہو اور وہ حیاتِ جاودانی سے ہمکنار ہو سکے۔ یہ چیز اُسے ایمان سے حاصل ہو سکتی ہے، جسے صوفی مفکرین اور اسلامی شعراء عشق سے تعبیر کرتے ہیں۔

حافظ: ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق + ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اقبال: تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے یہ + سلسلۂ روز و شب، صیرفیٔ کائنات

تو ہو اگر کم عیار، میں ہوں اگر کم عیار + موت ہے تیری برات، موت ہے میری برات

لیکن ہاں

ہے مگر اس نقش میں، رنگِ ثباتِ دوام + جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

مردِ خدا کا عمل، عشق سے صاحب فروغ + عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو + عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

فارسی شاعری میں سنائی اور عطار نے عشق کو بہت وسیع معنوں میں استعمال کیا۔ رومی نے اسے وسیع سے وسیع تر کر دیا، یہانتک کہ عشق اور عقل شاعری کی دو مستقل اصطلاحیں بن گئیں۔ ہمارے زمانے میں اقبال نے انکو اپنایا، اور نہ فقط اپنے فارسی بلکہ اردو کلام میں بھی کثرت سے ان دو لفظوں کا استعمال کیا۔ رومی اور اقبال کے ہاں عشق کے استعمال اور کہیں کہیں عقل کے ساتھ مقابلے کو ملاحظہ فرمائیے:۔

رومی: آتشِ عشق است کاندر نے فتاد + جوششِ عشق است کاندر مے فتاد

جسمِ خاک از عشق بر افلاک شد + کوہ در رقص آمد و چالاک شد

گر نبودے بہرِ عشقِ پاک را + کے وجودے دادمے افلاک را

عشق بحرے آسماں بروے کفے + چون زلیخا در ہوائے یوسفے

دورِ گردوں را ز موجِ عشق دان + گر نبودے عشق بفسردے جہاں

پس چہ باشد عشق دریائے عدم + در شکستہ عقل را آنجا قدم

عقلِ جزوی عشق را منکر بود + گرچہ بنماید کہ صاحب سر بود

عقل راہِ ناامیدی کے رود + عشق باشد کان طرف بر سر دود

لاابالی عشق باشد نے خرد + عقل آن جوید کزان سودے برد

نے خدا را امتحانے مے کند + نے درِ سود و زیانے مے زند

اقبال: ز رسم و راہِ شریعت نکردہ ام تحقیق + جز اینکہ منکرِ عشق است کافر و زندیق

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی + نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

زندگی را شرع و آئین است عشق + اصلِ تہذیب است دیں، دین است عشق

ز عشق درسِ عمل گیر و ہر چہ خواہی کن + کہ عشق جوہرِ ہوش است و جانِ فرہنگ است

علم از تحقیق لذت مے برد + عشق از تخلیق لذت مے برد

ہر کہ او را لذتِ تخلیق نیست + پیشِ ما جز کافر و زندیق نیست

در بود و نبودِ من اندیشہ گمانہا داشت + از عشق ہویدا شد این نکتہ کہ ہستم من

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق + عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق + عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؑ بھی ہے عشق + معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے + عشق بیچارہ نہ مُلا ہے نہ زاہد نہ حکیم

عقل را سرمایہ از بیم و شک است + عشق را عزم و یقیں لاینفک است

تہی از ہا و ہو میخانہ بُودے ✤ گِلِ ما از شرر بیگانہ بُودے
نبودے عشق و این ہنگامۂ عشق ✤ اگر دل چون خرد فرزانہ بُودے

میں نے ان دو لفظوں اور ان شعراء ربانی کے ہاں انکے استعمال پر بہت غور کیا: کبھی خیال کرتا کہ عشق آخرت کی محبت اور عقل دنیا کی شیفتگی ہے۔ کبھی اس نتیجہ پر پہنچتا کہ عشق کا معنی ہے خوف اور طمع (رغبۃ اور رھبۃ) خدا سے، اور عقل کا مفہوم ہے خوف اور طمع ماسواء سے۔ آخر کار بتوفیقِ خداوندی قرآن پاک کے گہرے مطالعہ سے ایمان اور مومن اور نفاق اور منافق کی حقیقت واضح ہوئی تو دیکھا کہ ان بزرگوں کے ہاں عشق اور عقل ٹھیک ٹھیک ایمان اور نفاق کے مرادف واقع ہوئے ہیں۔ قرآن پاک نے ایمان اور نفاق کی حقیقت کو زیادہ تر مومنوں اور منافقوں کے اعمال و خصائص کو تفصیل سے بیان کر کے واضح کیا ہے: اگر یہ حقیقت کما حقہ، پیشِ نظر ہو تو ایمان و نفاق کے تمام ثمرات و لوازمات کا عکس عشق و عقل کے آثار و علائم میں صاف طور پر دکھائی دیگا۔ اسی بنا پر ہم نے فصلِ اول میں مومنوں کے خصائص کے علاوہ منافقوں کے خصائص کا بھی ذکر کر دیا ہے۔

ایمان کے عناصر، جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا، یقین اور محبتِ الٰہی ہیں اور اسکا مرادف شعراء ربانی کے ہاں عشق ہے۔ گویا عشق میں وہ تمام باتیں ہونگی جو یقین اور محبتِ الٰہی کے خصوصیات ہیں، مثلاً اخلاص، ایثار، روحِ قربانی، صداقت، شجاعت، سخاوت، مروت، عفت، بیباکی، رحم و ہمدردی، ثبات و استقامت، عزم و یقین وغیرہ۔ اسکے برعکس نفاق میں خنک اور مادی زندگی کی محبت کے تمام لوازمات موجود ہونگے مثلاً تذبذب، ریاکاری، عیاری، نمائش، حسد و بغض و کینہ، حرص و طمع و بخل، کذب و دروغ، جبن و ہراس، کبر، غیبت وغیرہ۔ عقل کا استعمال ان شعراء کے ہاں بیشتر انہی معنوں میں ہوا ہے، علی الخصوص جب عشق کے مقابلے میں اس کا ذکر ہو۔ اور یہ عقل جزوی ہے جو کم نگاہ، کوتہ اندیش، اور ہوس پیشہ ہے، اور فوری مادی فائدہ پر مرتی ہے: وہ جوہرِ نورانی نہیں جس سے ادراک حقیقی معنوں میں جلا پاتا ہے۔ علامہ راغب "الذریعۃ" میں اسے عقل دنیوی سے تعبیر کرتے ہیں: یہی وہ زیرکی ہے جو مولانا روم" کے قول کے مطابق ابلیس کا خاصہ ہے: آدم عشق سے بہرہ یاب ہے ؎

داند آن کو نیک بخت و محرم است ✦ زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

جب اس خاص نقطۂ نظر سے شعرائے ربانی کے کلام کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ اکثر عشق کو بہت وسیع معنوں میں استعمال کرتے ہیں، اور محبتِ الٰہی کا مفہوم اور اسکے لوازمات کا ذکر تو سب کے ہاں پایا جاتا ہے: اور یہی ایمان کا جوہر ہے، کیونکہ خدائے پاک کی محبت کا زبردست جذبہ خود یقین کا خلاق ہے۔ یہی عشق ہے جس سے "جانِ مردِ صاحبدل" زندہ ہوتی ہے، یہی عشق ہے، جس کی حقیقت کو "اربابِ خرد" پا نہیں سکتے لیکن مشتاقانِ جمالِ ایزدی اس سے کیف و سرور حاصل کرتے ہیں۔ یہی عشق ہے جو رُوح یعنی جوہرِ حیات کا حکم رکھتا ہے اور اسی سے تخلیقِ کائنات واقع ہوئی ہے اور اسی پر ہستیٔ کائنات کا انحصار ہے، اور یہی عشق ہے جسکے باعث عاشقانِ حق خوشی خوشی اُس کی راہ میں اپنا خون بہا دیتے ہیں:-

حافظ: بعشق زنده بود جانِ مردِ صاحبدل ✦ اگر تو عشق نداری برو که معذوری

جامی: پیشِ اربابِ خرد شرحِ مکن مشکلِ عشق ✦ نکتۂ خاص مگو مجلسِ عام است اینجا

جامی از شوقِ تو شد مست زمی دیده نه جام ✦ بزمِ عشق است چه جای می و جام است اینجا

حالی: پیش از ظہورِ عشق کسی کا نشاں نہ تھا ✦ تھا حسن میزبان کوئی میہماں نہ تھا

دارا و جم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے ✦ نرخِ متاعِ عشقِ الٰہی گراں رہے

مرزا مظہر جانجاناں: بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن ✦ خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

اقبال: عشق را در خون تپیدن آبروست ✦ اره و چوب و رسن عیدینِ اوست

در رہِ حق ہر چہ پیش آید نکوست ✦ مرحبا نامہربانیہای دوست

لغت میں عشق کے معنی زبردست علاقۂ قلبی اور افراطِ محبت کے ہیں۔ اور محبت کے معنی طبیعت کا میلان کسی چیز کی طرف جو اسے پسندیدہ اور مرغوب ہو۔ ملاحظہ ہو:-

حبّه و احبّه: رغب فیه ۔ المحبّة: میل الطبع الی الشیٔ الملذ ۔ عشقه: تعلق به قلبه، فهو عاشق ۔ تعشقه: تعلق به قلبه ۔ العشق: افراط الحب ۔ (المنجد)

۱۲ ۱۵۳/۱۵ ۱۳۲۰۵

امام غزالی، احیاء جلد ۴ میں لکھتے ہیں: الحب عبارۃ عن میل الطبع الی الشیٔ الملذ فان تاکد ذالک المیل وقوی سمی عشقا، یعنی محبت کسی لذت انگیز شے کی طرف میلان طبع ہے اور اگر یہ میلان راسخ اور زبردست اور قوی ہو جائے تو اسکا نام عشق ہے۔

علامہ راغب "الذریعۃ" میں لکھتے ہیں: المحبۃ میل النفوس الی ماتراہ اوتظنہ خیرا، اما العشق فمحبۃ بافراط: یعنی طبائع جس چیز کو اچھا سمجھیں یا اچھا خیال کریں وہ محبت ہے اور افراط محبت کا نام عشق ہے۔

علامہ ابن قیم نے الجواب الکافی میں محبت کے چھ مراتب درج کئے ہیں، یعنی محبت عام ہے اور مدارج و مراتب خاص احوال و کوائف محبت ہیں:- (۱) العلاقۃ (۲) الصبابۃ (۳) الغرام (۴) العشق (۵) الشوق (۶) التتیم - اسی کتاب میں علامہ موصوف ایک دوسرے مقام پر تعبد یعنی عبادۃ کی حقیقت کے متعلق فرماتے ہیں کہ تعبد کی خاصیت یہ ہے کہ محبوب کیلئے محبت ہو خشوع و خضوع کے ساتھ، بلکہ تعبد محبت کا آخری مرتبہ ہے اور اسے التتیم بھی کہتے ہیں۔ اصل عبارت یہ ہے: وخاصیۃ التعبد الحب مع الخضوع والذل للمحبوب، فمن احب شیئا وخضع لہ فقد تعبد قلبہ لہ، بل التعبد اٰخر مراتب الحب ویقال لہ التتیم ایضا، فان اول مراتبہ العلاقۃ -

صوفیہ کرام نے بھی منازل محبت گنوائی ہیں، ان کے یہاں یہ منزلیں گیارہ ہیں:-
موافقت، میل، مؤانست، مودت، ہوا (ریاضت و مجاہدہ) خُلّت، اُلفت، شغف، تیم، ولہ، اور عشق -

صوفیہ کے نزدیک آخری منزل عشق ہے، اور یہ محبت کا آخری درجہ ہے جہاں محبت کمال کو پہنچ جاتی ہے اور قلب کو ایک نہایت لطیف پاکیزہ روحانی کیفیت نصیب ہوتی ہے جس سے حقیقی تعبد اور پرستش کا ظہور ہوتا ہے۔ عبد اور عبادت کی اصل روح کو سمجھنے کے لئے یہ حقیقت پیش نظر ہونی چاہئے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ -

علامہ ابن قیم ایک موقعہ پر لکھتے ہیں: "وکل حرکۃ فی العالم العلوی والسفلی فاصلہا

A.No. 27041/0

المحبة، فہی علتہا الفاعلیۃ والغائیۃ) یعنی عالم سماوی اور عالم ارضی میں ہر حرکت کی اصل محبت ہے اور یہی اسکی علت فاعلی اور علت غائی ہے۔ یہ مسئلہ تشریح طلب ہے اور اسکی یہاں گنجائش نہیں، لیکن اگر ذیل کی آیت اور اسی مضمون کی دیگر آیات قرآنی پر غور کیا جائے تو بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے: یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ (الجمعہ: ۱)۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہو جائیگا کہ مولانا روم وغیرہ کیوں عشق کو جوہر حیات، روح ہستی اور مایۂ تخلیق قرار دیتے ہیں۔

فارسی اور اردو شاعری میں عشق کیلئے مجاز اور حقیقت کی اصطلاحیں وضع کی گئی ہیں: اگر محبت کا زبردست جذبہ خدائے پاک کے متعلق ہو تو اسے عشق حقیقی کہتے ہیں اور اگر ماسوا یعنی ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز (علی الخصوص انسان) سے ہو تو اسے عشق مجازی سے تعبیر کرتے ہیں۔ عربی زبان میں لفظ عشق حقیقت کے سلسلے میں استعمال نہیں ہوتا (اسکی وجہ ہم آگے چل کر بیان کرینگے) بلکہ مجازی معنوں میں ہی آتا ہے۔ علامہ ابن قیم اسکی دو قسمیں قرار دیتے ہیں: مذموم و محمود۔ مذموم کو وہ "عشق الصور" (یعنی صورتوں یا صورت کا عشق) کا نام دیتے ہیں اور یہ ناپسندیدہ ہے۔ محمود کیلئے "عشق عفیف" (یعنی پاک عشق) کی اصطلاح قائم کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وانما الكلام فی العشق العفیف وهذا عشق السلف الكرام والائمة الاعلام یعنی ہماری مراد یہاں پاک عشق سے ہے جسکی نسبت بڑے بڑے بزرگوں سے رہی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اس کیلئے تعریفی و توصیفی جملے استعمال کئے ہیں اور بعض حکماء و شعراء کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں: عشق عفیف سے رقت طبع اور ترویح نفس حاصل ہوتی ہے اور شجاعت و سخاوت و مروت ایسے مکارم اخلاق ظہور میں آتے ہیں۔ ...... یہ بوجھوں کو ہلکا کرتا ہے، روح میں لطافت پیدا کرتا ہے، قلب کی کدورتوں کو صاف کرتا ہے، اور شریفانہ افعال پر برانگیختہ کرتا ہے۔" "العشق داء افئدة الكرام" یعنی عشق شریف طبع انسانوں کے دلوں کی بیماری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رح "تفہیمات الٰہیہ" میں لطیفۂ قلب کو حرکت میں لانے اور بیدار کرنے کے لئے "عشق عفیف" کو چارۂ کار تجویز فرماتے ہیں: "اگر خواہیم کہ لطیفۂ قلب کے را بجنبانیم و آنرا بیدار سازیم چارۂ

جنبانیدن و بیدار ساختن او عشق عفیف است کہ در آنجا در اقبال سرورے و در ادبار وحشتی پیدا می شود و بعض اداہای معشوق و ہیئات او متعلق قلب گردد ..... و اگر خواہیم کہ از لطیفۂ قلب بروح نقل کنیم چارۂ نقل او برگماشتن نسبت طہارت و مناجات است" (جلد اول: تفہیم ۵۷)۔

یہی عشقِ عفیف ہے جس کے متعلق نواب شیفتہ لکھتے ہیں : ؎

طوبیٰ لہم جو کشتۂ عشقِ عفیف ہیں ✣ کیا شبہ اس گروہ کے حسن مآب میں

اور یہی عشقِ عفیف ہے جس کے بارے میں مولانا حالی فرماتے ہیں : ؎

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید ✣ خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

؎ تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب ✣ بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

قرآن پاک اور حدیث شریف میں لفظ عشق نہیں آیا، بلکہ جیسا کہ علامہ ابن قیم نے "روضۃ المحبین" میں تصریح کی ہے۔ قدیم عرب شاعری میں بھی اسکا استعمال نہیں ہوا۔ وہ حدیث جو عام طور پر باختلاف الفاظ روایت کی جاتی ہے (یعنی من عشق وعف وکتم ومات فھو شھید، یا من عشق وکتم وعف وصبر غفر اللہ لہ وأدخلہ الجنۃ) موضوع ہے۔ چنانچہ علامہ ممدوح الجواب الکافی میں لکھتے ہیں: اما الحدیث من عشق وعف الخ من الموضوعات، والصواب فی الحدیث انہ من کلام ابن عباسؓ یعنی یہ حدیث موضوع ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا قول ہے۔

بہر حال قرآن پاک میں عشق کا لفظ استعمال نہیں ہوا، قرآن و حدیث کی اصطلاح ایمان ہے جسکا جوہر محبت الٰہی ہے۔ وہ خوش بخت ہستیاں یعنی صحابہ کرامؓ جنھوں نے بارگاہ نبوت میں تربیت پائی تھی اور پھر وہ سعادتمند افراد یعنی تابعین جنکو صحابہؓ کا شرف ملاقات نصیب ہوا تھا، خوب جانتے تھے کہ ایمان کی روح محبت الٰہی اور اسکی تبعیت میں محبت رسولؐ ہے اور شریعت کے فرائض وسنن میں اگر روحِ محبت کارفرما نہیں تو اعمال ایک جسدِ بے روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن جب کچھ زمانہ گذر گیا اور مادی زندگی کی محبت زیادہ گھر کر گئی اور مسلمانوں کی نظر آخرت پر نہ رہی، تو یہ حقیقت فراموش ہونے لگی۔ اسوقت انسانوں کا ایک گروہ پیدا ہوا جس نے

محبت خدا اور محبت رسول پر زور دینا شروع کیا۔ یہ لوگ صوفی کہلائے اور انکا مقصد وحید یہ تھا کہ مسلمان محبت الٰہی کو دنیا پر ترجیح دینا سیکھیں اور صدر اوّل کی طرح سادگی اور سختی کی زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالیں۔ ان کے قول و عمل میں وہی رُوح کار فرما تھی جو ابتدائی مسلمانوں میں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اور حضرت شیخ علی ہجویری نے "کشف المحجوب" میں اکثر صحابہ کو صوفیوں میں شمار کیا ہے۔ جب ایران کے شعراءِ ربانی کو ایمان کی اس نہایت نمایاں خصوصیت کو اُجاگر کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انھوں نے لفظ عشق کو اپنایا اور انھی وسیع معنوں میں اسکا استعمال شروع کیا جو ایمان اور مومن کی قرآنی حقیقت سے وابستہ تھی اس لحاظ سے لفظ عشق کو عربی نہیں بلکہ فارسی اور وہ بھی خاص شاعری کی اصطلاح تصور کرنا چاہئے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب "صراط مستقیم" (جو حقیقت میں حضرت مجدد شہیدؒ کے ملفوظات ہیں) کے مطالعہ سے مجھے اپنے نظریے میں بہت زیادہ تقویت ہوئی کیونکہ انھوں نے حبِ ایمانی اور حبِ عشقی کی دو اصطلاحیں قائم کر کے ایمان کو عین عشق کا مرادف قرار دیا ہے۔ اس کتاب کے باب اوّل سے یہاں دو ایک اقتباس درج کئے جاتے ہیں۔ پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ صوفیہ کے ہاں محبت الٰہی کی تحصیل میں کمال حاصل کرنے کیلئے ریاضاتِ شاقہ کا عمل خاص طریقوں کے مطابق رائج تھا اور ہے اور کتاب و سنت کی پوری پوری پابندی نہایت شدت سے لازمی ہے۔ لیکن حضرت مجدد شہیدؒ نے ان ریاضات کو خاص طور پر محل اعتنا نہیں ٹھیرایا، بلکہ زیادہ تر اسوۂ رسولؐ کو پیش نظر رکھا ہے۔ حضرت شاہ اسمٰعیلؒ پہلے طریقوں کو حبِ عشقی سے اور مجدد شہیدؒ کے طریقے کو حبِ ایمانی سے تعبیر کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت، ان سب کا مقصود محبت الٰہی کا حصول ہے۔

"ثمرۂ شریعت و طریقت، و اساس حقیقت و معرفت تحصیل محبت حضرتِ حق است۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں خدا تعالٰے اپنے خاص بندوں کو چن لیتا ہے اور اپنے فضل و کرم سے انھیں محبت کی دو قسموں (یعنی حبِ ایمانی اور حبِ عشقی) میں سے ایک یا دونوں کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ چونکہ حبِ ایمانی کے احوال و مقامات اور نتائج و ثمرات نبوت کے سرچشمہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ اسلئے ہم اس طریق کو راہ نبوت اور نسبت نبوت سے تعبیر کرتے

ہیں، اور چونکہ حبِ عشقی اور اسکے احوال و مقامات اور نتائج و ثمرات ولایت کے سرچشمہ پر منتہی ہوتے ہیں اس لئے ہم اسکو راہ ولایت اور نسبت ولایت کا نام دیتے ہیں لیکن مقصد میں ہیں دونو طریقے ایک - فرق فقط اتنا ہے کہ ائمہ طریقت اور پیشوایانِ حقیقت (یعنی سالکان راہ حب عشقی) نے مستقل طور پر طریق تحصیل کمالات راہ نبوت کو امتیازی حیثیت نہیں دی۔

اس سے ذرا آگے حبِ عشقی کے متعلق فرماتے ہیں: جب کیفیت عشقی کی حدت و قوت جذب تجلی الٰہی اور کمال انجذاب رُوح کے باعث پردے پھٹتے ہیں تو بموجب کلام پاک (وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا) اور (فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ) جمال ایزدی کا مشاہدہ میسر آتا ہے -

اور سبحان اللہ کیا مقام ہے کہ مشتِ خاک افلاک پر پہنچ جاتی ہے -

"سبحان اللہ زہے تاثیر حبِ عشقی و خہی جذب تجلی علمی کہ بسبب آن این مشتے خاک در مقام مقدس و پاک چقدر چالاک گردیدہ و ایں تراب ہمین در مجلس قرب رب الارباب عظیم چہ مقعد صدق و مقام کریم یافتہ: ؎

جسم خاک از عشق بر افلاک شد + کوہ در رقص آمد و چالاک شد" (صفحہ ۱۲ و ۱۳)

بہت سے مباحث کے بعد فرماتے ہیں: "مدانی کہ در میان راہ ولایت و راہ نبوت تباین است حتیٰ کہ سالکان راہ ولایت ہرگز بہ مقامات راہ نبوت فائز نشوند یا طالبان راہ نبوت مورد حالات ولایت نگردند، یا ارباب حب عشقی عاطل از حبِ ایمانی باشند و اصحاب حبِ ایمانی غافل از حالات عشقیہ بمانند، - حاشا و کلا۔"

یعنی یہ نہ خیال کرنا کہ ان دو طریقوں میں فرق و اختلاف ہے، یا یہ کہ دونو طریقوں کے سالک ایک دوسرے کے مقامات و حالات سے ناواقف ہیں، ہرگز نہیں، بلکہ اصحاب حب ایمانی حالات عشقیہ سے واقف ہیں اور ارباب حبِ عشقی مقامات راہ نبوت پر فائز ہوتے ہیں - (صفحہ ۴۰)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب عشق کا مفہوم اتنا مقدس، اتنا بلند اور اتنا پاکیزہ ہے تو پھر اسکے متعلق غلط فہمی کیوں ہے ؟ اس کے چند اسباب ہیں :-

(۱) عصر حاضر کی مادی تہذیب سوز عشق سے عاری ہے اور اسی کا پر تو ذہنی و سیاسی غلامی نے قبول

کیا ہے۔ اقبالؒ فرماتے ہیں:-

آبِ حیوان از دمِ خنجر طلب ق از دہانِ اژدہا کوثر طلب
سنگِ اسود از درِ بت خانہ خواہ + نافۂ مشک از سگِ دیوانہ خواہ
سوزِ عشق از دانشِ حاضر مجوی + کیفِ حق از جامِ این کافر مجوی
دانشِ حاضر حجابِ اکبر است + بت پرست و بت فروش و بتگر است
عشق افلاطونِ علت ہای عقل + بہ شود از نشترش سودای عقل
این مئے دیرینہ در مینائش نیست + شورِ "یارب" قسمتِ شبہائش نیست

(۲) بعض طبائع میں ذہنی لطافت اور روحانی نظافت کا پیدائشی فقدان ہوتا ہے، اسلئے وہ عشق کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کی استعداد ہی نہیں رکھتے۔ وہ بلندیٔ نظر سے محروم ہیں اور مظاہر کائنات کے مشاہدے سے آگے بڑھ نہیں سکتے۔ معنوی حقائق کا تصور انکے بس کا روگ نہیں۔ عشقِ حقیقی کا کوئی مفہوم قائم کرنا ایسے انسانوں کے لئے قطعاً محال ہے۔ جس طرح شعر گوئی یا شعر فہمی اور مناظرِ قدرت کے حسن و جمال سے بہرہ اندوز ہونا ہر کسی کے حصے میں نہیں آیا۔ اسی طرح مفہومِ عشق کی رفعتوں تک پرواز کرنا بھی ہر شخص کا کام نہیں۔

(۳) قومی تنزل اور ذہنی غلامی کے باعث فطرت کی پاکیزگی اور بلندی مفقود ہو جاتی ہے، اور الفاظ کے مفہوم میں بھی پستی اور ناپاکی آجاتی ہے۔ شعر کتنی بلند چیز ہے۔ حقیقی شعراء کی دنیا پرستش کرتی ہے۔ لیکن اپنے ہاں کی مجالس مشاعرہ کو دیکھئے تو اکثر حالتوں میں مسخروں کا اجتماع نظر آئیگا۔ اور شاعروں ہی سے شعر کے متعلق برائے قائم کی جائیگی۔ جب ہمت کی بلندی، ارادوں کی زبردستی، فطرت کی پاکیزگی، فہمندی و کامرانی کی روح، عزم و یقین، اور شجاعت ادبی موجود نہ ہوگی تو شعر کے اندر جان کہاں سے آئیگی۔ اور جب شعر بیجان ہوگا، تو پھر اسے کچھ کہہ لیجئے آپکو حق پہنچتا ہے۔ لیکن شعر کی حقیقت سے تو پھر بھی روگردانی نہیں کی جاسکتی۔

مذہب کے لفظ پر غور فرمائیں: کتنا مقدس لفظ ہے۔ لیکن مذہب کے نام پر ظالموں نے لامذہبی سے کام لیکر وہ وہ کارنامے انجام دئے ہیں کہ آجکل مذہب کو نہایت حقارت سے دیکھا جاتا ہے، اور یہ آواز برابر فضا میں گونج رہی ہے کہ مذہب سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے۔ تو کیا اس بنا پر آپ مذہب کے اصلی مفہوم سے

آنکھیں بند کر لینگے ؟

بہشت کے لفظ کو دیکھئے : کم نگاہوں اور جاہلوں نے جو ذہنی و قلبی مسرتوں اور روحانی لذتوں سے نا آشنا ہیں اسکا مفہوم فقط یہ سمجھ رکھا ہے کہ باغات ہیں اور نہریں اور حوریں اور غلمان اور شراب کا دور۔ کیا انھوں نے قرآن پاک میں کبھی نہیں پڑھا لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ؟ کیا مومنوں کیلئے لقاء الٰہی اور جمالِ خداوندی کے دیدار کی بشارت کی انھیں مطلقاً خبر نہیں ؟ اور پھر سب سے بڑھکر رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ کے الفاظ انھیں کبھی سنائی نہیں دئے ؟ پھر کیا ہم یہی سمجھیں کہ بہشت کا مفہوم فقط انسان کی جسمانی خوشیوں تک محدود ہے ؟

یہی حال لفظ عشق کا ہے۔ قومی تنزل اور ذہنی غلامی کے باعث طبیعتوں میں کثافت اور نگاہوں میں ناپاکی آگئی ہے اسلئے عشق کے پاکیزہ اور بلند تصور کی طرف ذہن منتقل ہی نہیں ہو سکتے۔

(۴) عشق کو ہوا و ہوس کا مفہوم دینے کی غلطی عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی شعراء ہمیشہ عشق و ہوس کے درمیان امتیاز کرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں :-

رباعی : این شیوۂ عشق ہر خسے را نبود + این واقعہ ہر بوالہوسے را نبود
منکر چہ شوی بحالت زندہ دلان + نے آنچہ تراانیست کسے را نبود

حالی : بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں + ہیں مئے ناب کے دلال قدح خوار نہیں

اقبال : در عشق و ہوسناکی دانی کہ تفاوت چیست + آن تیشۂ فرہادے این حیلۂ پرویزے
اگر نہ بوالہوسی باتو نکتۂ گویم + کہ عشق پختہ تر از نالہ ہای بے اثر است
رمز عشق تو بہ ارباب ہوس نتواں گفت + سخن از تاب و تب شعلہ بہ خس نتواں گفت

(۵) بعض اوقات، بعض حضرات، بلا سبب لفظ عشق پر ناک بھوں چڑھا لیتے ہیں، اس کی وجہ ادبی معلومات کی کمی اور فطرت انسانی سے ناواقفی ہے۔

عشق اور لفظ عشق کے استعمال کے سلسلے میں بعض لوگوں سے عجیب و غریب باتیں سننے میں آئیں ہیں

یہاں فقط تین کا ذکر کرتا ہوں :-

(۱) "چونکہ لفظ عشق قرآن پاک میں نہیں اسلئے اسے استعمال نہیں کرنا چاہیئے"۔

اس کے متعلق پہلی گزارش یہ ہے کہ آپ اسے استعمال نہ کریں، کوئی آپکو مجبور نہیں کرتا۔

دوسری عرض یہ ہے کہ مختلف زبانوں میں الفاظ اسی وقت پیدا ہوتے اور استعمال کئے جاتے ہیں جب کسی معین مفہوم کو ادا کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

تیسری یہ کہ کیا آپ ہمیشہ وہی الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کیلئے آپکے پاس قرآنی سند موجود ہو؟

ہاں البتہ یہ ایک معقول سوال ہے کہ قرآن پاک میں لفظ عشق کیوں استعمال نہیں ہوا؟

میں نے جہاں تک غور کیا ہے اسکے تین وجوہ ہیں :-

(الف) قرآن پاک عرب جاہلیت کی زبان میں نازل ہوا، اور جاہلیت کی عربی شاعری میں لفظ عشق استعمال نہیں ہوا۔

(ب) عرب لفظِ عشق خدا تعالیٰ کی محبت کے معنوں میں استعمال نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان کے ہاں حیات بعد الممات کا عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے لقائے ذات باری تعالیٰ کا تصور ہی موجود نہ تھا۔

(ج) تیسری وجہ جو میرے خیال میں حقیقی وجہ ہے، یہ ہے کہ قرآن پاک ہمیشہ وہ الفاظ استعمال کرتا ہے، جن میں مفہوم کی عمومیت کا پہلو نکلتا ہو، تاکہ خصوصی صورتوں کے تغیر و تبدل کے باوجود اس کی حقیقت ثابتہ ہمیشہ کے لئے قائم رہے۔ مثلاً قرآن پاک میں حدید کا لفظ استعمال ہوا ہے (وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ - الحدید، ۲۵) اور کسی ہتھیار کا نام نہیں لیا گیا، یہانتک کہ سیف کا لفظ بھی نہیں جو جہاد بالقتال کے سلسلے میں قدرتی طور پر آسانی سے آسکتا تھا۔ اب دنیا کتنی ہی بدلتی جائے حدید، ہتھیاروں وغیرہ کی صورت میں کتنی ہی شکلیں اختیار کرتا جائے، لیکن پھر بھی حدید ہی رہیگا۔ گویا قرآن پاک ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو زمانے کے تغیر و انقلاب سے پرانے نہیں ہو جاتے بلکہ ہمیشہ تازہ رہتے ہیں اور عمومیت کے مفہوم کے حامل ہوتے ہیں۔

اسی طرح محبت اور حُب کے الفاظ ہیں جو قرآن پاک میں آتے ہیں اور جن کا مفہوم عام اور عالمگیر ہے۔ خدا کے متعلق بھی استعمال ہو سکتے ہیں اور زمین و آسمان میں ہر چیز کے لئے بھی۔ محبت کے مراتب پر جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، پھر ایک نظر ڈالئے: وہ خاص حالتیں ہیں جن کے لئے وہ خاص الفاظ وضع کئے گئے ہیں عشق بھی انھی میں سے ایک ہے۔ محبت عام ہے، عشق خاص ہے: قرآن پاک اس قاعدے کے مطابق محبت کا لفظ استعمال کریگا، عشق کا نہیں کریگا۔

(۲) "ماں باپ، بھائی بہن، بیٹے بیٹی کے متعلق عشق کا لفظ کیوں استعمال نہیں کرتے، بلکہ محبت بولتے ہیں؟" یہاں بھی لفظ محبت کی عمومیت اور لفظ عشق کی خصوصیت پیش نظر رہنا چاہئے۔ جب تک محبت کی حدت و شدت اور فرقت و جدائی سے اضطراب و بیتابی کی وہ حالت پیدا نہیں ہوگی اُس پر عشق کا اطلاق کس طرح ہوگا؟ عشق کا جوہر ہی سوز و بیتابی ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اسی ایک شخص یا چیز میں استغراق ہو اور اس سے دوری و جدائی ہو۔ جب یہ حالت پیدا ہو جائیگی تو پھر لفظ کا اطلاق بھی ہوگا۔ آپ نے حالی کا قول سنا ہوگا: ع

یعقوب سے بشر کو دی تو نے ناصبوری

عام طور پر اس قسم کی بات کہنے والے اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ محبت اور عشق مرادف الفاظ نہیں ہیں۔ ماں باپ یا بھائی بہن کی محبت کوئی غیر معمولی حالت نہیں ہے، اس میں سارا جہان شریک ہے بلکہ کوئی یہ بھی نہیں کہتا کہ مجھے ماں سے یا بہن سے محبت ہے، کیونکہ یہ امر مسلم اور ثابت ہے اور ہر کوئی جانتا ہے۔

(۳) **"عشق ایک بیماری ہے"** ———— بیشک، لیکن آپ اوپر پڑھ آئے ہیں: العشق داء افئدة الکرام، یعنی عشق بیماری ہے ان لوگوں کے دلوں کی جو شریف، بہادر، اور سخی ہیں، جن میں قربانی اور ایثار کا مادہ موجود ہے، جو مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کر سکتے ہیں، اور اگر ضرورت پیش آئے تو دوست کی راہ میں اپنی جان پر بھی کھیل جانے کے لئے تیار ہیں۔

رباعی: در مسلخ عشق جز نکو را نکشند + لاغر صفتان زشت خو را نکشند

گر عاشق صادقی ز کُشتن مگریز + مُردار بود ہر آنکہ اُو را نکُشند

اقبال: ندارد کار با دُون ہمتان عشق + تذرو مُردہ را شاہین نگیرد

نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے + شکارِ مُردہ سزاوارِ شاہباز نہیں

حالی: عشق سے ہے مجتنب زاہد عبث + شیر کو صیدِ زبوں سے کیا غرض

محبت عام ہے، جب یہ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اس کو عشق کہتے ہیں، اور یہ حالتِ استغراق ہے۔

در کلام خدای مے خوانی + کہ عَلَيكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ

چون محبت رسد بعین کمال + در دل و جان و الہان جمال

عشق نامش نہند اولوالاشواق + چون رسد آن بحد استغراق

(عراقی: عشاق نامہ)

ہاں، عشق حالت استغراق ہے کہ ایک ہی کے لئے محبت ہو سکتی ہے، ایک سے زیادہ کے لئے نہیں یہ باری تعالیٰ کی ذات پاک ہی ہے کہ ایک ہی وقت میں ہر چیز کے لئے اُس کے پاس محبت بے حساب ہے۔

"پرسیدیکی کہ عاشقی چیست؟ گفتم کہ چو ما شوی بدانی۔ عشق محبت بے حساب است، جہت آن گفتہ اند کہ صفت حق است بحقیقت و نسبت اُو بہ بندہ مجاز است۔ يُحِبُّهُمْ تمامست يُحِبُّونَهٗ کدامست؟"

(جلال الدین رُومی: مثنوی دیباچہ دفتر دوم)

فصل اوّل: نورِ ایمان

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرۃ: ۱۶۵)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۵ (الحجرات: ۱۵)

مومن از عشق است و عشق از مومن است + عشق را ناممکن ما ممکن است

(اقبالؒ)

ہم نے اس مختصر مقالے کو ایک مقدمہ، پانچ فصلوں، اور ایک خاتمہ کی صورت میں اسلئے ترتیب نہیں دیا کہ مبسوط مباحث پیدا کر کے اُن کو نہایت تفصیل سے بیان کریں گے، کیونکہ اسکی تو یہاں گنجائش ہی نہیں: بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس سلسلے میں تمام مطالب نہایت صاف اور واضح صورت میں سامنے آجائیں، اور فکر و نظر کی الجھنیں پیدا نہ ہوں۔ اس بنا پر اس مضمون کو متفرق یادداشتوں کا مجموعہ تصور کرنا چاہیئے۔ جن میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مواد قارئین کرام کے لئے مہیا کیا جائے۔

اس فصل کے مباحث مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) اسلام و ایمان۔ (۲) محبت خدا و محبت رسولؐ۔

(۳) مومنوں کے اعمال و خصائص۔ (۴) منافقوں کے اعمال و خصائص۔

(۱)

اسلام و ایمان

سورۃ الحجرات کی جو آیت ہم نے اوپر نقل کی ہے اس میں سچے مومنوں کی تعریف ہے۔ سچے مومن وہ ہیں جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائیں (یعنی تصدیق کریں)، پھر کسی طرح کے شک سے کام نہ لیں، اور خدا کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں (یعنی خدا کی راہ میں اپنے مالوں کو زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے اور اپنی جانوں کو زیادہ سے زیادہ استعمال

کرنے میں سرتوڑ کوشش کریں)۔ لغت میں ایمان کا معنی یقین ہے، لیکن تاکیداً فرمایا کہ "پھر شک نہ کریں": گویا ایمان کے عناصر میں سے پہلا عنصر یقین ہے۔ جہاد بالاموال والانفس کیلئے ایسی رُوح درکار ہے جو اخلاص، شجاعت، سخاوت، ایثار اور قربانی سے لبریز ہو اور یہ رُوح محبت ہے جو زندگی کا پس منظر اور کارخانۂ حیات کی جان ہے۔ پس ایمان کے دو عنصر ہوئے: یقین اور محبت۔

علامہ راغب "الذریعہ" میں فرماتے ہیں: "ایمان ہے حق کیلئے خشوع و خضوع بطور تصدیق و یقین۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے (اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ) اور 'وجل القلب' حق کے لئے خوف و خضوع ہے بطور تصدیق و یقین کے ساتھ۔ یہ ہے ایمان کی اصل" —— انکی عبارت یہ ہے: الایمان هو الاذعان الی الحق علی سبیل التصدیق له والیقین۔ وقال (اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ) ووجل القلب هو الخشیة للحق علی سبیل التصدیق له بالیقین۔ هذا اصل الایمان۔ پھر ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا "کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت جس نے دل (قلب) سے دی وہ مومن ہے"۔ آگے چلکر لکھتے ہیں: ولما کان الایمان متعلقا بالقلب والاسلام بفعل الجوارح والتقوی بقمع الهوی قال: الاسلام علانیة والایمان فی القلب والتقوی هٰهنا" واشار الی صدره یعنی چونکہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے، اسلام کا اعضاء و جوارح سے اور تقویٰ کا ہوا و ہوس کے قلع و قمع سے اسلئے حضور صلعم نے فرمایا: اسلام ظاہر سے تعلق رکھتا ہے، ایمان دل میں ہے اور تقویٰ یہاں ہے" اور اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔

علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ ایمان، اسلام اور تقویٰ لازم و ملزوم ہیں، اسلئے خدا تعالیٰ نے فرمایا: (فِی الْجَنَّةِ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ) یعنی یہاں متقین سے مراد مومنین اور مسلمین بھی ہے۔

امام غزالیؒ نے احیاء (جلد اول) میں ایمان اور اسلام پر لغوی، تفسیری، اور فقہی شرعی حیثیت سے نہایت بسوط بحث کی ہے، ہم یہاں چند جملے جو ہمارے لئے مفید مطلب ہیں نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

الایمان عبارۃ عن التصدیق، والاسلام عبارۃ عن التسلیم والاستسلام بالاذعان و الانقیاد۔ وللتصدیق محل خاص وھو القلب و اللسان ترجمانہ، و اما التسلیم فانہ عام فی القلب و اللسان والجوارح۔ الاسلام اعم والایمان اخص: فکان الایمان عبارۃ عن اشرف اجزاء الانسان، فاذن کل تصدیق تسلیم ولیس کل تسلیم تصدیقا۔ یعنی ایمان کا مفہوم ہے تصدیق اور اسلام کا تسلیم یعنی اطاعت و فرمانبرداری، تصدیق کیلئے خاص جگہ ہے اور وہ قلب ہے جسکی ترجمان زبان ہے۔ تسلیم عام ہے قلب، لسان اور اعضا کیلئے۔ اسلئے اسلام عام ہے اور ایمان خاص۔ ہر تصدیق کیلئے تسلیم لازمی ہے، لیکن ہر تسلیم کیلئے تصدیق ضروری نہیں۔ یہ فرق بیان کرتے ہوئے امام صاحب نے ایک حدیث نقل کی ہے جسکی روایت حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "رسول پاکؐ نے کچھ لوگوں کو مال عطا فرمایا اور ان میں سے ایک شخص کو کچھ نہ دیا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ نے فلاں شخص کو چھوڑ دیا اور کچھ نہیں دیا حالانکہ وہ مؤمن ہے، جنابؐ نے فرمایا: بلکہ مسلم ہے۔ حضرت سعدؓ نے اپنی بات کا اعادہ کیا اور رسول پاکؐ نے بھی اپنے جواب کا اعادہ فرمایا کہ وہ مومن نہیں بلکہ کہو مسلم ہے۔" گویا مسلم عام ہے اور مومن خاص۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" (جلد اول) میں ایمان پر نہایت جامع ومانع بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ شریعت میں ایمان چار معنوں کیلئے استعمال ہوتا ہے:۔

(۱) احکام دنیا کے متعلق جو ظاہری امور کی اطاعت سے وابستہ ہیں۔

(۲) احکام آخرت کے متعلق جن پر نجات اخروی اور کامیابیٔ درجات کا مدار ہے۔

(۳) تصدیق، دل سے ان باتوں کی جو ضروری ہیں (مراد صفات ایمان)۔

(۴) السکینۃ والھیئۃ الوجدانیۃ التی تحصل للمقربین یعنی وہ اطمینان و وقار اور وجدانی کیفیت جو مقربین کو

پہلے معنی کے لحاظ سے اسلام زیادہ واضح اور عام ہے ایمان سے، اسی لئے قرآن پاک میں ہے "قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا" اور نبی کریمؐ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو فرمایا: "او مسلماً یعنی بل مسلماً"۔ حدیث ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، اور آیت کا ذکر اور تشریح آگے آتی ہے۔ ۔۔۔ چوتھے معنی کے لحاظ سے احسان کی اصطلاح ایمان سے زیادہ

واضح اور عام ہے۔ الاحسان کے متعلق رسول اللہ نے فرمایا: الاحسان ان نعبد اللہ کانک تراہ، فان لم تکن تراہ فانہ یراک، یعنی احسان (یعنی اچھائی اور نیکی کی حقیقت) یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اُسے دیکھتے ہو، اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر یہ سمجھو کہ وہ تمھیں دیکھتا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت شاہ صاحب نے اخلاص عمل اور نفاق عمل کے فرق کو واضح کرنے کے لئے دو حدیثیں منافق اور ایمان کے متعلق نقل کی ہیں :۔

(۱) "اربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً، ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا : اذا ائتمن خان واذا حدث کذب، واذا عاھد غدر و اذا خاصم فجر" (یعنی چار خصلتیں ہیں جس میں یہ چاروں جمع ہو جائیں وہ پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھو نفاق کی ایک خصلت پیدا ہو گئی، وہ خصلتیں یہ ہیں: امانت میں خیانت، جھوٹ بولنا، بدعہدی یا وعدہ خلافی غصہ میں آکر آپے سے باہر ہو جانا یا خصومت میں حق سے انحراف کرنا)۔

(۲) "ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان، ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما، وان یحب المرء لا یحبہ الا للہ، وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار" (یعنی جس شخص میں تین خصلتیں ہونگی وہ حلاوت ایمانی سے بہرہ یاب ہوگا: ہر چیز سے بڑھکر محبت ہو اللہ اور رسول سے، دوسرے انسانوں سے للہ محبت ہو (مع اللہ نہو جو شرک کی صورت ہے) اور کفر کی طرف لوٹنے کو اتنا ہی بُرا سمجھے جتنا کہ آگ میں ڈالے جانے کو بُرا سمجھتا ہے)۔

جس آیت کا شاہ صاحب نے ذکر کیا ہے (اسلام و ایمان کے بارے میں) وہ یہ ہے: قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ط (الحجرات: ۱۴) یعنی کہتے ہیں کہ ہم مومن بن گئے، اے پیغمبر ان سے کہو تم مومن نہیں بن گئے بلکہ کہو کہ ہم نے اسلام کا اظہار کیا اور مسلم ہو گئے کیونکہ ابھی ایمان تو تمھارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ گویا خدا تعالیٰ کے فرمانے کا مقصود یہ ہے کہ ایمان کا قلب سے تعلق ہے اور وہ ابھی دُور کی چیز ہے۔ تم نے تو ابھی دائرہ اسلام میں قدم رکھا ہے۔ اسی آیت کے بعد وہ آیت ہے جس سے ہم نے ایمان کے عناصر (یقین اور محبت) کا استخراج کیا ہے، اور جس میں خدا تعالیٰ نے اسلام اور ایمان کے

فرق کو واضح کرنے کیلئے سچے مومنوں کی تعریف کی ہے۔

مباحث مذکورہ کا ماحصل یہ ہے کہ ایمان کا قلب سے تعلق ہے، اور قلب کی اصلاح ہی شریعت کا مطمع نظر ہے قلب کی اصلاح ہو گئی تو انسان صالح ہو گیا، اور اگر قلب ہی فاسد ہو گیا تو انسان بھی فاسد ہو گا۔ اسی لئے رسول پاک نے فرمایا: اَلَا وَ اِنَّ فی الجسد مُضغَۃً، اذا اصلحت صلح الجسدُ کلہ، و اذا فسدت فسد الجسد کلہ، الا وھی القلب۔ یعنی قلب صالح ہو تو تمام بدن صالح، اور قلب فاسد ہو تو تمام بدن فاسد۔

قلب کی اصلاح کیلئے ایمان ہے، جس کے عناصر یقین اور محبت ہیں، اور خدا اور رسول پر یقین کی ابتدائی منزل بھی اسی لئے ہے کہ ان سے محبت ہو۔ گویا ایمان کا جوہر محبت الٰہی ہے اور اسکی تبعیت میں رسول پاک کی محبت۔

(۲) محبت خدا و محبت رسول

محبت کی چار قسمیں ہیں:۔

(۱) محبۃ اللہ: یعنی خدا کی محبت، یہی اصلی حقیقی، خاص اور محبت بالذات ہے، باقی سب محبتیں اسکی تبعیت میں ہیں، اور حقیقی معنوں میں کسی اور محبت کا مستقل وجود نہیں۔ اگر اس محبت کا پرتو موجود ہے، تو دوسری محبتیں جائز ہیں ورنہ اَنْدَادًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا حکم رکھتی ہیں اور شرک ہیں۔ حدیث شریف ہے: من احب للہ و ابغض للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان۔ اور قرآن پاک میں ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ___ اللہ پر ایمان اور اللہ کی محبت دونو لازم و ملزوم ہیں، اور مومن وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی محبت رکھنے والا ہو۔ اس کے متعلق کچھ اشارات فصل سوم میں آئینگے۔

(۲) محبۃ ما یحب اللہ: ان چیزوں سے محبت جنکو اللہ چاہتا ہے۔ انسان کو وہ چیزیں پیاری ہوں جو اللہ کو پیاری ہیں۔

(۳) الحب للہ و فی اللہ: یعنی اللہ کی خاطر کسی چیز سے محبت ہو، بالاستقلال محبت نہو۔

(۴) المحبۃ مع اللہ: یہ شرک اور مشرکین کی محبت ہے، اور یہ گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا۔ ہاں حقیقی توبہ سے اس گناہ کا داغ بھی دھل سکتا ہے۔

رسولِ پاک کی محبت دوسری یا تیسری صنف کے ماتحت آئیگی اور یہ محبت ایمان کا جزو ہے۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں: واذا کان الحب اصل کل عمل من حق و باطل اصل الاعمال الدینیة حب اللہ ورسولہ۔ یعنی چونکہ محبت ہر عمل کی اصل ہے، حق ہو یا باطل اسلئے دینی اعمال کی اصل اللہ اور رسول کی محبت ہے۔ قرآن پاک میں ہے: قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران: ۳۱) یعنی اگر تمھیں اللہ سے محبت ہے تو رسولِ پاک کی پیروی کرو اللہ کو تم سے محبت ہوگی — اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ (الفتح: ۱۰)۔ بیعتِ رسولؐ خود اللہ کی بیعت ہے۔ اس بارے میں سورۃ التوبہ کی آیت قولِ فیصل کا حکم رکھتی ہے: قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ٱقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (التوبۃ: ۲۴) — یعنی اے پیغمبر مسلمانوں سے کہہ دے "اگر ایسا ہے کہ تمھارے ماں باپ، بیٹے بیٹیاں، بھائی بہنیں، تمہاری بیویاں، تمہاری برادری، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے، تمہاری تجارت جس کے مندا پڑجانے سے ڈرتے ہو، تمہارے رہنے کے مکانات جو تم کو اسقدر پسند ہیں، یہ ساری چیزیں تمھیں اللہ سے، اس کے رسولؐ سے، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں، تو (کلمۂ حق تمہارا محتاج نہیں) انتظار کرو، یہانتک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ کا مقررہ قانون ہے کہ وہ) فاسقوں پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا۔

"ترجمان القرآن" میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ العالی اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں: "یہ آیت مہمات مواعظ میں سے ہے اور اس باب میں قطعی ہے کہ اگر حبِ ایمانی و غیر ایمانی میں مقابلہ ہوجائے تو مومن وہ ہے جسکی حبِ ایمانی پر دنیا کی کوئی محبت اور علاقہ بھی غالب آسکے۔ یہاں آٹھ چیزوں کا ذکر کیا ہے جو انسان کی مدنی زندگی کی الفتوں کے بڑے رشتے ہیں اور اپنی جگہ مطلوب و ضروری ہیں۔ لیکن اگر محبت ایمانی میں اور ان میں مقابلہ ہوجائے تو پھر مومن وہ ہے جس پر ان تمام الفتوں میں سے کسی الفت کا بھی جادو چل نہ سکے اور کوئی علاقہ بھی اسے اتباعِ حق سے روک نہ سکے۔ محبتِ ایمانی کی اس آزمائش میں صحابہ کرامؓ جس طرح پورے اترے اسکی شہادت تاریخ نے محفوظ کرلی ہے۔ بلا شائبۂ مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا

ہوگا جیسا صحابہؓ نے اللہ کے رسولؐ سے راہِ حق میں کیا۔ انھوں نے اس محبت کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے، اور پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے (جلد دوم: صفحہ ۸۳)۔

اب حدیث کو لیجئے، فرمایا: والذی نفسی بیدہ لایؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین۔ یعنی رسولِ پاکؐ نے فرمایا: خدا کی قسم تم میں سے کوئی بھی اسوقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُسے اسکی اولاد اور ماں باپ اور تمام انسانوں سے زیادہ پیارا اور محبوب نہوں (صحیحین: حدیث انسؓ)۔ اور صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: یارسول اللہ! خدا کی قسم آپ مجھے سوائے میری جان کے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں"۔ حضور نے فرمایا: "نہیں اے عمرؓ! جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ پیارا نہ ہوں" اسوقت تک تمہارا ایمان درست نہیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: "اُس ذات کی قسم جس نے آپکو سچائی کے ساتھ بھیجا آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں"۔ رسولِ پاکؐ نے فرمایا: ہاں اے عمرؓ! اب"۔ یعنی اب تمہارا ایمان ٹھیک ہوا۔

(۳) مومنوں کے اعمال و خصائص

(ا) اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ ۚ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (البقرۃ: ۳-۵)۔ (۱) جو غیب (کی حقیقتوں) پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی اُن پر یقین کیا (۲) نماز قائم کرتے ہیں۔ (۳) اور ہم نے جو کچھ روزی انھیں دے رکھی ہے اسے (نیکی کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ (۴) جو اس (سچائی) پر ایمان رکھتے ہیں جو تم (یعنی پیغمبر اسلام) پر نازل ہوئی ہے۔ (۵) اور ان تمام سچائیوں پر جو تم سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ (۶) اور آخرت کی زندگی کے لئے بھی انکے اندر یقین ہے۔

(ب) لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ

بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۚ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (البقرۃ: ۱۷۷) نیکی اور بھلائی کی راہ یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھم کی طرف کر لیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات ظواہر رسوم کی کرلی) نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو (۱) اللہ پر، آخرت کے دن پر، ملائکہ پر، آسمانی کتابوں پر اور خدا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں۔ (۲) اور خدا کی محبت کی راہ میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتے اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ (۳) نماز قائم کرتے ہیں۔ (۴) زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (۵) اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں جب قول و قرار کر لیتے ہیں تو اسے پورا کر کے رہتے ہیں۔ (۶) تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو یا لڑائی (میں خوف و ہراس) کا وقت، ہر حال میں صبر کرنے والے (اور راہ میں ثابت قدم) ہوتے ہیں۔

(ج) التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (التوبۃ: ۱۱۲)

سچے مومنوں کے اوصاف و مدارج یہ ہیں:۔

(۱) اَلتَّائِبُوْنَ: یعنی جو اپنی توبہ میں پکے اور سچے ہوتے ہیں اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور اپنی غفلتوں اور لغزشوں پر نادم رہتے ہیں۔

(۲) اَلْعَابِدُوْنَ: جو اللہ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں یعنی خاص خاص وقتوں اور خاص شکل کی عبادت بھی پورے اہتمام اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور انکی عام عملی حالت بھی عبادت گذاری کی ہے اور اس میں ایک عابدانہ روح کام کرتی رہتی ہے۔

(۳) اَلْحَامِدُوْنَ: یعنی وہ جو اپنے قول اور فکر، دونوں سے اللہ کی حمد و ستائش کرتے ہیں، گویا ان کا شغل ذکر و فکر ہے، ذکر سے دل اور فکر سے دماغ زندہ رہتا ہے۔

(۴) اَلسَّائِحُوْنَ: وہ جو راہ حق میں سیر و سیاحت کرتے ہیں۔ زمین میں عبرت کیلئے گردش کرتے ہیں، علم کیلئے گھر سے نکلتے ہیں، راہ حق میں جد و جہد کرتے ہوئے مختلف سمتوں کا رخ کرتے ہیں، حج کیلئے بری و بحری مسافتیں طے کرتے ہیں۔

(۵) اَلرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ: جو اللہ کے آگے جھکتے ہیں اور رکوع و سجود سے کبھی نہیں تھکتے۔ ایک ایک چوکھٹ پر

سر کو جھکا کر سب آستانوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ خدا کے حضور میں سرنگوں ہوتے ہیں تاکہ ہر جگہ سربلند رہ سکیں۔

(۶) اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ: جو نیکی کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں یعنی صرف اپنے ہی نفس کی اصلاح پر قانع نہیں ہو جاتے، بلکہ دوسروں کی بھی اصلاح کرتے اور دنیا میں حق و عدالت کے نشر و قیام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

(۷) اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ: جو ان تمام حدود کی حفاظت کرنیوالے ہیں جو اللہ نے انسانوں کیلئے ٹھہرا دی ہیں۔ یعنی اللہ کے مقرر کئے ہوئے واجبات و حقوق انسانی کی حدوں کو ٹوٹنے نہیں دیتے کیونکہ اس سے امن و سعادت کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں۔

نوٹ: یہ سورۃ التوبۃ کی آیت ۱۱۲ تھی۔ اس سے پہلے آیت ۱۱۱ (اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ) میں حب ایمانی کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ فرمایا جو لوگ اللہ پر ایمان لائے تو ایمان کا معاملہ یوں سمجھو کہ انھوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالا، جان بھی اور مال و متاع بھی، اب انکی کوئی چیز اپنی نہ رہی، اللہ اور اسکی سچائی کی ہو گئی: ؎

بندگانِ تو کہ در عشق خداوندانند - دو جہاں را بہ تمنائے تو بفروختہ اند

پھر اللہ کی طرف سے اسکے معاوضہ میں نعیم ابدی کی کامرانیاں انھیں عطا ہوئیں۔ یہ گویا خرید و فروخت کا ایک معاملہ تھا جو اللہ میں اور عشاق حق میں طے پا گیا، اب نہ بیچنے والا اپنی متاع واپس لے سکتا ہے نہ خریدنے والا قیمت لوٹائیگا۔ اور چونکہ مقصود اللہ کے لطف و کرم کا اظہار تھا۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے معاملہ کو اپنی طرف سے شروع کیا کہ اللہ نے مومنوں سے خرید لیا۔ (ترجمان القرآن جلد دوم)۔

(د) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ، اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ، يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (المائدۃ: ۵۴)۔ اے مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائیگا (تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اسکے پھر جانے سے دین حق کو کچھ نقصان پہنچیگا) قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ (سچے مومنوں کا) پیدا کر دے:

(۱) جن سے خدا کو محبت ہو گی، (۲) اور جو خدا سے محبت رکھنے والے ہونگے (۳) مومنوں کے مقابلے میں نہایت نرم اور

جھکے ہوئے (۴) لیکن دشمنوں کے مقابلے میں نہایت سخت (۵) اللہ کی راہ میں (جان و مال سے) جد و جہد کرینگے (۶) اور کسی ملامتگر کی ملامت سے نہیں ڈرینگے۔

(ط) سورۃ المؤمنون کے شروع میں مومنوں کے پانچ وصف بیان فرمائے ہیں جو قرآن کے نزدیک ایمان و عمل کے مرقع میں سب سے زیادہ نمایاں خط و خال ہیں۔ جس زندگی میں یہ خصائص نہ ہوں وہ مومن زندگی نہیں سمجھی جاسکتی۔

(۱) نماز کی محافظت کرتے ہیں اور اسے خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں یعنی نہایت عجز و انکسار سے۔

(۲) نکمی باتوں سے رخ پھیر لیتے ہیں یعنی ہر اس بات سے مجتنب رہتے ہیں جو نکمی ہو صرف انہی باتوں میں مصروف رہتے ہیں جو دین و دنیا میں نافع ہوں۔

(۳) زکوٰۃ ادا کرنے میں سرگرم ہیں: یعنی اپنی کمائی اپنے محتاج بھائیوں کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

(۴) اپنے ستر کی نگہداشت سے کبھی غافل نہیں ہوتے، یعنی زنا و حرامکاری سے آلودہ نہیں ہوتے۔

(۵) اپنی امانتوں اور عہدوں کا پاس رکھتے ہیں: یعنی امانت دار ہیں اور اپنے عہدوں کو پورا کرتے ہیں۔

(ی) سورۃ الفرقان میں ۶۳ سے ۷۴ آیات تک عباد الرحمن کا ذکر ہے۔ ان کے یہ اوصاف ہیں:

(۱) وہ زمین پر آہستگی اور نرمی سے چلتے ہیں۔ (۲) جب جاہل اُن سے مخاطب ہوں تو کہتے ہیں صاحب سلامت۔

(۳) اپنے رب کے آگے سجدے میں یا کھڑے رات کاٹتے ہیں۔ (۴) کہتے ہیں اے رب ہم سے دوزخ کا عذاب ہٹانا۔

(۵) جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ ہی اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی تنگی، بلکہ میانہ روی اور اعتدال سے کام لیتے ہیں۔

(۶) اور اللہ کے ساتھ اور حاکم نہیں پکارتے، یعنی کسی کو اسکا شریک نہیں بناتے۔ (۷) جس جان کا خون بہانے سے اللہ نے منع کیا ہے، اسکا خون نہیں بہاتے۔ (۸) زنا اور بدکاری نہیں کرتے۔ (۹) جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے۔ (۱۰) جب نکمی باتوں کے پاس سے گذریں تو بزرگانہ انداز سے گذر جاتے ہیں۔ (۱۱) جب اُن کو اُن کے رب کی باتیں یاد دلائی جائیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں پڑتے (بلکہ سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، اور غور و فکر کرتے ہیں)۔ (۱۲) وہ کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں پرہیزگاروں کے لئے امام (یعنی رہبر اور نمونہ، کہ ہم نیک ہوں اور وہ ہماری پیروی کریں)۔

ہم نے قرآن پاک کے چھ مقامات سے تقریباً لفظی ترجمے کے ساتھ مومنوں کے خصائص بیان کئے ہیں تاکہ اس بات پر غور کرنے کیلئے کافی مواد پیش نظر ہو جائے کہ مومن کا خمیر ہی محبت الٰہی کا زبردست جذبہ ہے۔ اور اس کے کارفرما ہونے کے بغیر یہ اوصاف پیدا نہیں ہو سکتے۔ اب ہم بفحوائے تعرف الاشیاء باضدادھا، منافقوں کے عام اعمال و خصائص جن کا قرآن پاک میں ذکر ہے، مختصر طور پر درج کرتے ہیں۔

(۴) منافقوں کے اعمال و خصائص

مصری فاضل شیخ محمد احمد العدوی نے اپنی نہایت مفید اور کارآمد کتاب "دعوۃ الرسل الی اللہ تعالیٰ" میں منافقوں کے اخلاق و اوصاف تفصیل سے لکھے ہیں۔ ہم اسی کتاب سے اسکا خلاصہ درج کرتے ہیں:۔

(۱) من صفاتهم انهم يعاملون الله معاملة المخادع، لا معاملة المخلص (يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ) منافقوں کا معاملہ اللہ سے مکرو فریب کا ہے، اخلاص کا نہیں۔

(۲) من صفات المنافقين الذبذبة والاضطراب بين حزب المؤمنين وحزب الكافرين، فلا يستطيعون ان يكونوا مع احد الفريقين ظاهراً و باطناً۔ منافقوں میں تذبذب ہوتا ہے، مومنوں اور کافروں میں سے کسی ایک گروہ کا ساتھ سچے طور پر نہیں دے سکتے۔

(۳) من اخلاق المنافق ان يعجبك قوله ويسوؤك عمله۔ منافق کے قول سے آپکے دل میں تحسین و تعجب کے جذبات پیدا ہونگے، لیکن اسکے عمل سے دکھ پہنچیگا۔ قول و عمل میں بعد المشرقین ہو گا۔

(۴) انهم نفعيون، لا يريدون الا مصلحتهم الدنيوية وغايتهم المادية۔ یہ لوگ مادی زندگی کے منافع پر فریفتہ ہیں۔ اسلئے خود غرض ہیں اور اپنی دنیوی مصلحتوں کے سوا ان کا اور کوئی مقصد نہیں۔ اسی لئے ہر ایک کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ابن الوقت ہیں۔

(۵) من اخلاق المنافقين جبنهم وخورهم، فلا تجد لهم شجاعة ادبية، يتجلى ذالك الجبن الخالع في تخلفهم عن القتال وتلمسهم المعاذير۔ منافق بزدل اور ڈرپوک ہیں اور ان میں اخلاقی جرأت

نہیں۔ اپنی بزدلی کے باعث جہاد بالقتال میں شریک نہیں ہوتے تھے بلکہ بہانہ تراشی کرکے مسلمانوں سے الگ ہوجاتے تھے

(۶) من اوصاف المنافقین انهم لم یرضوا الله ورسوله حکما فیما یعرض لهم من خلاف، فحکومتهم غیر حکومة المؤمنین ومرجعهم غیر مرجعهم۔ یعنی مسلمان تو نزاع وخلاف کے وقت کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف رجوع کرتے، لیکن منافق اسکو پسند نہیں کرتے۔

(۷) من صفات المنافقین انتصارهم باعداء المؤمنین، وموالاتهم ایاهم، وابتغاؤهم العزة منهم۔ مسلمانوں کے دشمنوں سے مدد چاہتے ہیں ان سے دوستی رکھتے ہیں اور ان سے عزت کے خواہاں ہیں۔

(۸) من صفاتهم اکثارهم من الحلف، فتراهم کثیری الأیمان وکثیری الکذب۔ چونکہ جھوٹے ہیں۔ اسلئے بہت قسمیں کھاتے ہیں اور ان پر بہت زور دیتے ہیں۔

(۹) من اخلاقهم نقضهم العهد واخلافهم الوعد، وهو من فروع الکذب۔ بدعہدی اور وعدہ خلافی ان کا خاصہ ہے، اور یہ دروغ ہی کی شاخ ہے۔

(۱۰) من اخلاقهم، لینهم فی القول، ودهائهم فی الحدیث، وهو ما یشیر له القرآن الکریم فی قوله (وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ) فتری لهم لحنا خاصا۔ بات بڑی باریکی اور نرمی سے کرینگے، اور گفتگو میں رنگ آمیزی سے کام لینگے۔ ان کے اسی وصف کی طرف قرآن کریم اشارہ کرتا ہے کہ تم ان کو انکی گفتگو کے لب ولہجہ سے ہی پہچان لوگے۔ اُن کا لہجہ اور انداز ہی مخصوص ہے۔

فصل دوم: آفتابِ حقائق

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ
نَصَرُوْا، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (الانفال: ۷۴)

طرحِ عشق انداز اندر جانِ خویش + تازہ کن با مصطفیٰ پیمانِ خویش
(اقبالؒ)

اللہ پر ایمان اور اللہ کی محبت کا زبردست جذبہ دونو لازم و ملزوم ہیں، اور مومن وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی محبت رکھنے والا ہو۔ شعراء ربانی اور صوفی مفکرین اللہ کی محبت کے زبردست جذبے کو عشق سے تعبیر کرتے ہیں، پس ایمان اور عشق لازم و ملزوم ہیں اور مومن وہ ہے جو خدا کا عاشق ہو۔ ع مومن از عشق است و عشق از مومن است، کا یہی معنی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے جب رسولِ پاک کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ایمان کا عہد و پیمان کیا، تو گویا انہوں نے اسی عشق باری تعالیٰ کا پیمان کیا تھا۔ اور آج ہم اگر چاہیں کہ ہم میں ایمان کی روح پیدا ہو جائے تو اسکے سوا چارہ نہیں کہ اپنے اندر عشقِ خداوندی کی رُوح پیدا کر کے پھر حقیقی معنوں میں رسولِ پاک سے تجدیدِ بیعت کریں۔ اس کا یہ معنے ہو گا کہ سورۃ التوبۃ کی اس آیت کا مفہوم جو ہم اُوپر نقل کر آئے ہیں، ہمیشہ ہمارے سامنے رہیگا، کیونکہ وہ حبِ ایمانی کا معیار ہے، اور ہم ہمیشہ خدا اور رسولؐ کی محبت کو ہر محبت پر ترجیح دیتے رہینگے۔

آؤ ذرا تھوڑی دیر کے لئے دیکھیں کہ عشقِ حق کی یہی تلوار نہیں ہے جو ہمیں تاریخی و مذہبی حقائق کے اندر چمکتی نظر آتی ہے، اور جس سے اللہ کے عاشقوں نے ہمیشہ دونو جہانوں کو مسخر کیا ہے؟

ہماری ملت، ملتِ ابراہیمی، اور ہمارا دین، دینِ ابراہیمی ہے، اور ہماری نسبت اُسی موحد اور عاشقِ حق سے ہے۔ وہ مُسلم تھا، اور قرآن پاک نے ہمیں بھی یہی نام دیا ہے۔ مسلم خدا کا مطیع و فرمانبردار ہے، لیکن اگر اس اطاعت و فرمانبرداری میں عشق دستی نہیں تو یہ اطاعت و فرمانبرداری بے رُوح ہے۔ چند مرحلے تو ممکن ہے طے کئے

جا سکیں، لیکن جب بڑی بڑی ابتلاؤں اور آزمائشوں کا وقت آجائے تو پھر جذبۂ عشق کے بغیر اُن پر پورا اُترنے کا تصور بھی محال ہے۔ ملّت ابراہیمی کی حقیقت وہ مقامات ہیں جن میں حضرت خلیل اللہؑ نے اپنے عشق باری تعالےٰ کا ثبوت دیا ہے اور بارگاہ ایزدی سے خلعتِ "خلّت" سے سرفراز ہوئے ہیں۔ وہ خلیل اللہ یعنی اللہ کے دوست ہیں، اور ان کے دل میں خدا کے مقابلے میں ما سوا کی محبت کا کامل فقدان ہے۔ انھیں خدا سے عشق ہے۔ اسی عشق سے ان میں وہ شجاعت اور بیباکی پیدا ہوتی ہے جس کی بنا پر نمرود جیسے جابر و قاہر شہنشاہ کے دربار میں وہ توحید خداوندی کا اعلان کرتے ہیں اور اُسے سجدہ کرنے سے انکار کر دیتے ہیں یہی عشق ان میں وہ یقین کی رُوح پیدا کرتا ہے جو نار کو گلزار بنا دیتی ہے، یہی عشق ہے جو خدا تعالےٰ کے حکم ہجرت کے موقع پر اُن کے آڑے آتا ہے، اسی عشق کی تلوار ہے جو بیٹے کی محبت کو ذبح کر کے انھیں حضرت اسمٰعیل کی قربانی پر آمادہ کر دیتی ہے اور یاد رکھئے پھر یہی عشق ہے جو اس کعبہ کا باعث ہے جس کی دیواروں کو چنتے وقت وہ ایک نبیؐ کی بعثت اور ایک امت مسلمہ (یعنی خدا کی فرمانبردار امت) کی پیدائش کے لئے دعا کرتے ہیں تاکہ اس نبیؐ اور اس امت کے ذریعے حق کا بول بالا ہو، بت پرستی کی جڑیں کٹ جائیں، توحید اپنے حقیقی رنگ میں آشکار ہو، اور محبوب حقیقی کے عشق کے نور سے انسانی دلوں کی بستیاں جگمگا اٹھیں۔

چنانچہ حضرت خلیل اللہ کی دعا قبول ہوئی اور ایسا ہی ہوا۔ نبی اُمّیؐ کا ظہور ہوا، حق کا بول بالا ہوا، بت پرستی کی جڑیں کٹ گئیں، توحید اپنے حقیقی رنگ میں آشکار ہوئی، اور محبوب حقیقی کے عشق سے قلوب انسانی بقعۂ نور بن گئے۔ حضورؐ سرور کائنات کے عشق خداوندی کے متعلق مولانا رومؒ فرماتے ہیں :-

با محمد بود عشق پاک جفت ⁂ بہر عشق اُو را خدا لولاک گفت
منتہی عشق چون او بود فرد ⁂ پس مر اُو راز انبیا تخصیص کرد

حقیقت یہ ہے کہ حضور صلعم کے رگ و ریشہ میں عشق ذات باری تعالیٰ سرایت کئے ہوئے تھا، اور آپکے قلب مبارک میں ہر وقت وہی نور جلوہ گر تھا۔ جنابؐ کی تو تربیت ہی خدا تعالےٰ نے اس انداز میں کی تھی کہ اُسی کی یاد آپ کی زندگی کا سرمایہ ہو، چنانچہ فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ؕ (المزمل: ۸) یعنی اپنے رب کے نام کا ہی ورد کرتے رہو اور سب چیزوں سے توجہ کو ہٹا کر اُسی کی طرف اپنی تمام ہستی کے ساتھ متوجہ ہو جاؤ۔ قرآن

پاک میں ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا ۝ (الاحزاب: ۲۱) یعنی جن کو لقائے الٰہی اور یوم آخرت کی توقع ہے اور جو اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں ان کیلئے رسول پاک کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ ایک دوسرے مقام پر (سورۃ الممتحنۃ: آیات ۴ اور ۶) فرمایا کہ ابراہیم اور اسکے ساتھیوں میں تمہارے لئے "اسوۂ حسنہ" ہے، یعنی ان لوگوں کے لئے جو لقائے الٰہی اور یوم آخرت کی توقع رکھتے ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت خلیل اللہ اور انکے رفقاء نے توحید خالص کا اعلان کر کے عشقِ الٰہی کا ثبوت دیا تھا۔ یہاں ایک نکتہ پیش نظر رہنا چاہئے، وہ یہ کہ قرآن پاک میں "اسوۂ حسنہ" کے سلسلے میں فقط رسول کریم اور اور حضرت ابراہیم کے نام آئے ہیں اور کسی نام کا ذکر نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مقام "خُلّۃ" فقط ان دو بزرگ ہستیوں کو عطا ہوا ہے، کوئی تیسری ہستی اس میں شریک نہیں۔ قرآن پاک میں ہے: وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيمَ خَلِيلًا (النساء: ۱۲۵)۔ حضور صلعم نے فرمایا: ان اللہ اتخذنی خلیلاً کما اتخذ ابراهیم خلیلا یعنی خدا تعالے نے مجھے بھی ابراہیم کی طرح اپنا "خلیل" (دوست) بنایا۔ ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوا: لو کنت متخذا من اهل الارض خلیلا لا تخذت ابا بکر خلیلاً ولکن صاحبکم خلیل اللہ۔ یعنی اگر میں انسانوں میں سے کسی کو "خلیل" بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن میں تو خلیل اللہ (اللہ کا دوست) ہوں۔ علامہ ابن قیم، الخلۃ کے متعلق لکھتے ہیں: وھی تتضمن کمال المحبۃ ونہایتہا بحیث لا یبقی فی القلب لعبہ سعۃ لغیر محبوبہ، وھی منصب لا یقبل المشارکۃ بوجہ ما، وھذا المنصب خاصۃ للخلیلین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیھما ابراھیم ومحمدؐ۔ واما ما یظنہ بعض الظانین ان المحبۃ اکمل من الخلۃ وان ابراھیم خلیل اللہ وان محمداً احبیب اللہ فمن جھلہ۔ یعنی خُلّۃ کمال و انتہاء محبت ہے، یہانتک کہ پھر محبوب کے سوا دل میں کسی کی محبت کے لئے جگہ نہیں رہتی، اور یہ وہ مقام ہے جہاں کسی کی مشارکت کا امکان نہیں اور یہ مقام دو ہستیوں کے لئے مخصوص ہے: ابراہیمؑ اور محمدؐ کے لئے۔ اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ محبت زیادہ کامل ہے خُلّت سے، اور کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ خلیل اللہ ہیں اور محمدؐ حبیب اللہ ہیں تو یہ ان کی جہالت اور ناواقفی ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تو رسول پاک کو اس سے بھی بلند "عبدہٗ" کا مقام عطا فرمایا ہے کیونکہ آپ سراپا عبادت تھے، اور معلوم ہے کہ عبادت وہ مقام محبت ہے جس کے آگے کوئی مقام نہیں۔ مولانا رومؒ کے

اشعار جو ہم نے اوپر نقل کیے ہیں ان کا یہی معنی ہے۔ حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ نیند میں میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل بیدار ہوتا ہے یعنی یادِ الٰہی میں مصروف ہوتا ہے۔ اسی مقام کی برکت سے حضورؐ کو معراج نصیب ہوئی۔ اور اسی کی بنا پر عشقِ الٰہی کے ساتھ حضورؐ کا عشق جزوِ ایمان قرار پایا۔

صحابۂ کرامؓ، جنہوں نے بارگاہِ نبوتؐ میں تربیت پائی، یقین و محبت یعنی عشق کے مجسّمے تھے۔ صداقتِ اسلام کا انھیں کامل یقین تھا اور خدا و رسول کی راہ میں سراپا محبت تھے۔ مکی زندگی میں انھیں زبردست ابتلائیں پیش آئیں اور ہمیشہ مصائب و تکالیف کا سامنا رہا، لیکن عشق کی تلوار نے ہر مہم کو سر کیا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے صحابہؓ جو اعیانِ قریش میں سے تھے اسلام لائے تو ان پر کفار کی طرف سے سختیاں ہوئیں، اور جو بیچارے غریب اور غلام تھے انکی تو کچھ پوچھیے ہی نہیں۔ انکو نہایت بیدردی سے پیٹا جاتا تھا، عرب کے ریگستان کی دوپہر کے وقت ننگے بدن ریت پر ڈال دیا جاتا تھا، سینے پر تپتے ہوئے بھاری پتھر رکھے جاتے تھے، کوئلوں پر لٹا دیا جاتا تھا ــــ فقط اس لئے کہ اسلام کو چھوڑ دیں۔ وہ یہ سب کچھ برداشت کرتے تھے لیکن اسلام کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ یہ خداؐ رسول کے عشق کا جادو تھا جس کی وجہ سے وہ یہ تمام تکلیفیں خوشی خوشی برداشت کرتے تھے۔ لیکن یہ تو ابھی عشق کی ابتدا تھی۔ اب ہجرت کا حکم ہوتا ہے: یعنی دنیا جہان کی ہر چیز کو تیاگ دو، خدا اور رسولؐ کی خاطر یعنی گھروں کو چھوڑو، عورتوں کو چھوڑو، بچوں کو چھوڑو، جائدادوں کو چھوڑو، غرض ہر چیز کو چھوڑو اور رسولِ خداؐ کا ساتھ دو۔ ان عاشقانِ حق نے اس پر بھی بصد خوشی لبیک کہا۔ عشق کی یہ منزل بھی طے ہوئی۔ اب حکم ہوا کہ اپنے رشتہ داروں سے برسرِ پیکار ہو جاؤ اور خدا و رسولؐ کے عشق کا ثبوت دو۔ جنگِ بدر٭ تمام انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کی واحد جنگ ہے، صحائفِ تاریخی میں کہیں اسکی نظیر نہیں ملیگی۔ دنیاوی مال و متاع کے لئے تو انسانوں نے ضرور اپنے خون کے رشتہ داروں کی گردنیں کاٹی ہیں۔ لیکن عشقِ الٰہی اور حفاظتِ دین کی خاطر اپنوں سے نبرد آزما ہونے کی ایسی مثال آپکو نظر نہیں آئیگی۔ جو دوسرے عشق و محبت کے کرشمے ہیں جن سے یہ مشکل منزلیں طے ہوتی ہیں۔ ہجرت کا واقعہ، تاریخِ اسلام میں، محبت کی اصلی تصویر اور عشق کا حقیقی مرقع ہے، ایمان اور اسلام کی حقیقت اس میں جلوہ گر ہے۔ اسی لئے اسلامی تقویم کو مرتب کرتے وقت ہجرت سے اسکا آغاز کیا گیا۔

٭ غزوات اور [illegible] بدر؟ [illegible]

بعد کی تاریخ میں بھی جبکہ صحابہؓ کرام ایرانی اور رومی شہنشاہیوں سے برسرِ پیکار تھے، یہ جو ہم سنتے ہیں کہ ھم باللیل رُھبان و بالنہار فرسان (رات کو راہب یعنی عبادتگزار اور دن کو شہسوار ہیں) تو اسکا یہی معنی ہے کہ عشقِ الٰہی سے سرشار راتیں عبادت میں گذار دیتے تھے اور دن شمشیر زنی میں کاٹتے تھے۔

ارکان اسلام کی حقیقت پر بھی غور کریں تو یہی عشق و محبت کا منظر سامنے آتا ہے۔ کلمۂ شہادت تو ہے ہی عشق کا اعلان۔ نماز، عبادت یعنی آخری درجہ محبت کی بہترین شکل ہے جس میں محبوب کی یاد ہے اور اس کے سامنے خشوع خضوع اور انتہائی عجز و انکسار کا اظہار ہے۔ معین و مخصوص اوقات تو فرائض میں شامل ہیں، ان کے علاوہ بھی اتو کو آپ جتنا قرب اس محبوب حقیقی سے حاصل کرنا چاہیں اسی عبادت کے ذریعے آپکو حاصل ہو سکتا ہے اور آپ ایک ایسے نُور کے مالک ہو سکتے ہیں جو آپکے دل و دماغ کو روشن کر دیگا۔ روزہ کا تو مقصود ہی ہے تقویٰ کا حصول، جس سے دل پاک و صاف ہو کر ایک ایسے آئینے کی شکل اختیار کرے جس میں محبوب حقیقی کا عکس پڑ سکے۔ عشق قربانی کی رُوح پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے مال کی محبت کو کم کرنے کے لئے زکوٰۃ کا فریضہ ہے۔ حج عشق و محبت کی ایک دلکش تصویر ہے کہ میدانوں اور پہاڑوں، بیابانوں اور ریگستانوں کو طے کر کے خدا کے عاشقوں کا گروہ کوچۂ دوست میں پہنچتا ہے تاکہ اس مقدس آستانے پر اپنی تمام نیاز مندیوں کی بھینٹ چڑھائے اور اپنے جنونِ عشق اور وارفتگی و شیفتگی کا ثبوت دے۔ فقط دو چادریں پہن کر صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا عقل کی تصویر نہیں بلکہ عشق کا مرقع ہے۔

فصل سوم: بزم عشق

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهۡدِیۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِیۡمَانِهِمۡ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ (یونس:۹)

جامی از شوق تو شد مست نہ می دیدہ نہ جام + بزم عشق است چہ جای می و جام است این جا

ہاں تو ان تمام تاریخی و مذہبی حقائق میں ہمیں عقل و خرد کے نقوش نہیں بلکہ عشق و محبت کی تصویریں نظر آتی ہیں۔ محبت زندگی کا پس منظر ہے اور یہ جذبہ قلب انسانی کی طینت اور سرشت میں لازم رکھا گیا ہے۔ ہر انسان اس سے خوب واقف ہے، اور اگر اس کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت کو بیان کریں تو وہ روز روشن کی طرح آشکار ہو جاسکتی ہے۔ لفظ ایمان کا معنی لغت کی رو سے فقط یقین تھا، لیکن قرآن پاک نے اسے ایک اصطلاح بنا دیا ہے، اور خدا تعالیٰ نے اسکی حقیقت واضح کرنے کے لئے لفظ محبت اور حب سے کام لیا جو انسان کی دیکھی بھالی اور جانی بوجھی چیز ہے جب ہم کہتے ہیں کہ ایمان کا جوہر زبردست جذبۂ محبت الٰہی ہے، تو ایک زندہ حقیقت ہمارے سامنے متشکل ہو جاتی ہے جو فقط لفظ ایمان سے سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ فطرت انسانی کی اسی حقیقت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس میں یُحِبُّ اور لَا یُحِبُّ کی اصطلاحیں استعمال فرماتا ہے، یعنی وہ چیزیں جو اسے محبوب ہیں، اور وہ جو اسے ناپسند ہیں۔ چنانچہ یُحِبُّ کے سلسلے میں فرماتا ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ۔ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِیۡنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ۔ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِیۡنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ صَفًّا۔ یعنی نیکی کرنے والے، توبہ کرنے والے، پاکباز، پرہیزگار، شدائد میں صبر کرنے والے، (اپنے کاموں میں خدا پر) بھروسا کرنے والے، عدل کرنیوالے، اور مجاہدین فی سبیل اللہ۔

یہ سب خدا کو محبوب اور پیارے ہیں۔

لَا یُحِبُّ کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ، .... الکافرین، ... الظالمین، ... المفسدین، ... المسرفین، ... الخائنین، ... المستکبرین، ... الفرحین۔ یعنی زیادتی کرنیوالوں، خدا کے منکروں، ظالموں، مفسدوں، فضول خرچوں، خیانت کرنیوالوں، مغروروں، اور اترانے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا۔

یُحِبُّ اور لَا یُحِبُّ کے سلسلے میں ایک حقیقت تو واضح ہوگئی، یعنی حُب یا نفی حُب کے ذکر سے ہم مفہوم کو اچھی طرح پا لیتے ہیں۔ لیکن اس میں ایک اور زبردست حقیقت بھی مستور ہے، اور وہ یہ کہ محبوب حقیقی جس چیز کو دوست نہیں رکھتا ہمیں بھی اس سے دشمنی ہونی چاہیئے۔ محبت کی حقیقت ہی یہی ہے کہ ہر وہ چیز جو محبوب کی دشمن ہے اور اسکی مخالف ہے، عاشق کے لئے بھی دشمن اور مخالف کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں عاشق کی "پسند" اور "ناپسند" کا تو سوال ہی نہیں۔ محبوب جسے پسندیدہ کہے وہ پسندیدہ ہے اور جسے ناپسندیدہ کہدے وہ ناپسندیدہ ہے۔ قرآن پاک میں اسی لئے موالات (دوستی) کے ساتھ معادات (دشمنی) کا بھی متعدد مقامات پر ذکر آتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب خدا تعالےٰ کی موالات کا اعلان کیا تو بتوں کی معادات کا بھی ذکر فرمادیا: ۔ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (الشعراء: ۷۷)۔

مجاز اور حقیقت کی اصطلاحوں کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں، اور ایک دوسرے مقام پر محبت کی چار قسمیں بیان کر کے ہم نے لکھا تھا کہ محبۃ اللّٰہ ہی فقط ایک حقیقت ثابتہ ہے، باقی محبتوں پر اگر اس محبت کا پرتو ہے تو ان کا وجود ہے ورنہ انکی کوئی اصلیت نہیں۔ ماسوا میں سے کسی چیز سے بھی اگر ہم اپنی تمام رُوح اور تمام قلب کے ساتھ محبت کرینگے تو یہ پرستش وعبادت کی شکل ہوگی جو محبت کا انتہائی مقام ہے، اور اس لئے شرک کے گناہ عظیم کے مرتکب ہونگے۔ اسی بنا پر عشق کو مومن اور عقل کو کافر قرار دیا جاتا ہے۔ عشق چاہتا ہے کہ فقط محبوب حقیقی کے لئے ہو رہے، اور دونو جہانوں کو اپنے اندر گم کردے، تاکہ اسی کے انوار وتجلیات کا پرتو ہر جگہ دکھائی دے۔ لیکن عقل، دنیا کی مادی منفعتوں پر مٹنے والی عقل، اپنے لئے ہزاروں بُت بناتی ہے اور انکی پرستش کرتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں حیاتِ

دنیوی کو "لہو ولعب" اور حیاتِ اُخروی کو "الحیوان" (حقیقی زندگی) اور "خَیرٌ وَّ اَبقیٰ" سے تعبیر کیا ہے تاکہ اسکی محبت میں مبتلا ہو کر خدا کی محبت سے غافل نہ ہو جائیں جو ایمان کی اصلی اور حقیقی شرط ہے۔

عشقِ مجازی کی اصطلاح 'ماسوا' میں سے ہر چیز کے سلسلے میں استعمال کی جاسکتی ہے' لیکن انسانی عشق و محبت کے لئے خاص ہے۔ یہ عشقِ صورت ہے' جو کبھی پائدار نہیں ہو سکتا، کیونکہ ع

گل ہمیں پنج روز و شش باشد

اسی لئے شعراء ربانی نے اسکو "عشقِ عفیف" سے ممتاز کرنے کیلئے ہوس اور ہوسناکی سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہاں تو ہم فقط اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ اصلی چیز عشقِ حقیقی ہے اور یہی ایمان کا جوہر ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:-

آنچہ معشوق است صورت نیست آن + خواہ عشق این جہان، خواہ آن جہان
آنچہ بر صُورت تو عاشق گشتہٖ + چون برون شد جان چرایش ہشتہٖ
صورتش ہر جاست' این سیری زچیست + عاشقا وابین کہ معشوقِ تو کیست؟
پرتوِ خورشید بر دیوار تافت + تابش عاریتی دیوار یافت
بر کلوخے دل چہ بندی اے سلیم! + واطلب اصلے کہ پایداؔ و مقیم
عشق زاوصاف خدای بے نیاز + عاشقی بر غیر او باشد مجاز
غیر معشوق ار تماشائے بود + عشق نبود ہرزہ سودائے بود
ہست معشوق آنکہ اُو یکتو بود + مبتدا و منتہایت اُو بود
عشق بر مُردہ نباشد پائدار + عشق را بر حیؔ جان افزای دار
عشق زندہ در روان و در بصر + ہر دمے باشد زغنچہ تازہ تر
عشق آن زندہ گزین کو باقیست + وز شراب جانفزایت ساقیست۔
عشق آن بگزین کہ جملہ انبیا + یافتند از عشق اُو کار و کیا
چند بازیؔ عشق بانقش سبُو + بگذر از نقش سبُو و آب جُو

عاشق صنع خدا با فر بود ٭ عاشق مصنوع او کافر بود
درمیان این دو فرقے بس خفی ست ٭ خود شناسد آنکہ در رویت صفی ست

اپنے دیوان میں بھی مولانا رح نے اس مضمون پر بہت اشعار لکھے ہیں، یہاں صرف دو بیت نقل کرتا ہوں:۔

شدۂ غلام صورت بمثال بت پرستان ٭ تو چو یوسفی ولیکن سوئے خود نظر نداری
بخدا جمال خود را چو در آئینہ ببینی ٭ بت خویش ہم تو باشی بکسے گذر نداری

اگر انسان کی حقیقت پر نظر ہو تو "عشق صورت" کیا "عشق سیرت" کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا، ان معنوں میں کہ اپنے تمام قلب و روح سے کسی ایک انسان ہی کے لئے ساری نیازمندیاں وقف کردی جائیں اس بارے میں فقط سرور کائنات، سید المرسلین، خاتم النبیین صلعم کی ذات مبارک مستثنےٰ ہے جن کا عشق جزو ایمان ہے اور جسکی صورت یہ ہے کہ آپ کی زیادہ سے زیادہ اطاعت اور پیروی کی جائے اور اسے عشق خداوندی کی زیادتی کا وسیلہ بنایا جائے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مخلوقات کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا جو محبت کی کامل ترین شکل ہے اور اسمیں خشوع و خضوع اور عجز و انکسار بدرجۂ کمال شامل ہے اسلام اور ملت ابراہیمی کی حقیقت یہی ہے۔ اسی لئے رسول پاک نے فرمایا: جو اللہ کی خاطر محبت کرے، اللہ کی خاطر بغض سے کام لے، اللہ کی خاطر عطا کرے، اور اللہ کی خاطر (دینے سے) ہاتھ روک لے، اسکا ایمان کامل ہے"۔ سچی محبت "توحید محبوب" کی مقتضی ہے اور چاہتی ہے کہ کسی کو اس کی محبت میں شریک نہ کیا جائے۔ اسی "توحید محبت" کی خاطر خدائے پاک نے تمام نبیوں اور رسولوں کو بھیجا، اور اسی کے لئے زمین و آسمان، درجنت و جہنم وجود میں آئے تاکہ مومنوں اور عاشقان الٰہی کو جنت میں جگہ ملے اور مشرکوں اور عاشقان ماسوا کو جہنم میں ڈالا جائے۔ اور یہی ہے حقیقت، شہادت کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی، جسکے متعلق حضور سرورکائنات نے فرمایا: "جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگیا"۔

علامہ ابن قیم "الجواب الکافی" میں لکھتے ہیں: "خدا تعالےٰ نے فرمایا (الزخرف: ۲۶-۲۸) جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم کو کہا کہ میں ان چیزوں سے جن کو تم پوجتے ہو الگ ہوں (اور میں تو کسی کو نہیں پوجونگا) سوائے اس ذات پاک کے جسنے مجھے پیدا کیا۔ سو وہی مجھے سیدھا رستہ دکھائیگا، اور یہی بات (یعنی کلمۃ باقیۃ) ابراہیم پیچھے چھوڑ گیا اپنی اولاد میں (الآیۃ)۔ حضرت ابراہیم نے اسی موالات الٰہی (یعنی اعلان توحید) اور اللہ کے سوا ہر معبود سے علیحدگی کو "کلمۃ

باقیہ" کی صورت میں اپنے پیچھے چھوڑا، اور یہ کلمہ انبیاؑ اور انکی پیروی کرنیوالوں کو یکے بعد دیگرے وراثت میں پہنچتا رہا۔ اور یہ ہے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ، جو اس امام موحدین کے مقتدیوں کو یوم قیامت تک وراثت میں ملتا رہیگا۔ یہی وہ کلمہ ہے جس سے زمین و آسمان وجود میں آئے اور جس پر خدا تعالےٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ اسی کلمہ پر ملت کی بنیادیں استوار ہوئیں، اسی پر قبلہ کی تعیین ہوئی اور اسی کے لئے جہاد کی تلواریں بے نیام کی گئیں۔ اور یہ خدائے سبحانہٗ وتعالےٰ کا حق ہے اپنے تمام بندوں پر۔ اس کلمہ کی روح اور اسکا راز خدائے پاک کی وحدانیت ہے محبت میں، تعظیم وتکریم میں، بیم وامید میں، توکل، انابت، رغبت، رہبت وغیرہ تمام لوازمات میں۔ پس انسان کسی اور سے محبت نہ کرے، اور جب کبھی کسی اور سے محبت ہو تو اسی کی محبت کی تبعیت میں ہو اور اسی کی محبت کی زیادتی کا وسیلہ بنے۔ اس کے سوا کسی سے نہ ڈرے، اس کے سوا کسی سے امید نہ رکھے۔ توکل ہو تو اسی پر، رغبت ہو تو اسی کی طرف۔ قسم کھائے تو اسی کے نام کی، اور نذر دے تو اسی کی خاطر۔ اطاعت کرے تو اسی کے حکم کی اور مصائب میں مدد چاہے تو اسی سے۔ اس کے سوا کسی سے التجا نہ کرے اور کسی کو سجدہ نہ کرے، اور ذبح کرے تو اسی کے لئے اور اسی کے نام پر۔ اگر ان تمام باتوں کو ایک ہی جملہ میں ادا کرنا چاہیں تو وہ یہ ہے کہ عبادت کی تمام انواع واقسام میں انسان اس ذات پاک کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے ——— یہ ہے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کی تحقیق۔ اسی لئے خدا تعالےٰ نے ہر اس انسان پر دوزخ کی آگ حرام کردی ہے جو حقیقی معنوں میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے، اس شہادت کی حقیقت کو اپنے لئے فرض عین قرار دے، اور پھر اس پر قائم وثابت رہے۔ ہاں قائم وثابت رہے اس شہادت پر ظاہر وباطن اور دل وجان سے۔ پھر وہ اس گروہ میں شامل ہے جن کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ (المعارج: ۳۳)

یہ ہے مومن کی شان اور یہ ہے ایمان کی حقیقت۔ یہ ہے وہ عشق جو اسلام مسلمانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ لوگ ہیں وہ عاشقان حق جو قرآن پاک کی تعلیم کا مطمح نظر ہیں۔ انہی مومنوں کے لئے دو توجہانوں میں ظفر وکامیابی اور فلاح وکامرانی کی وہ تمام بشارتیں ہیں جو ایمان کے ثمرات ہیں اور جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ اسی حقیقت کی طرف علامہ اقبال مرحوم اشارہ فرماتے ہیں: ؎

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا؟ ✣ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں!
ولایت، پادشاہی، علمِ اشیا کی جہانگیری ✣ یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں!

فصلِ چہارم: شمشیرِ شہادت (شواہد شعرِ فارسی)

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ
كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکہف: ۱۰۹)

شرحِ عشق ار من بگویم بر دوام ✦ صد قیامت بگذرد وان ناتمام
زانکہ تاریخِ قیامت را حد است ✦ حد کجا آنجا کہ وصفِ ایزد است
(رومیؒ)

ہاں یہی شہادت لا الٰہ الا اللہ ——— شہادت جو کہ زندہ و بیدار ہو، خوابیدہ و مردہ نہ ہو، اور حی و قائم ہو ظاہر و باطن اور دل و جان کے ساتھ ——— یہی ایمان کا جوہر اور عشق کا حقیقی مقام ہے۔ اسکے پیشِ نظر یہ حقیقت آفتابِ نصف النہار کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ عالمِ وجود کی تمام نیرنگیاں اور سحر کاریاں عشق کی رہینِ منت ہیں۔ حقیقت کے پرستاروں کو یہ عشق کبھی ایک عالمگیر رُوح کی شکل میں دکھائی دیتا ہے جس سے کائنات کی آفرینش عمل میں آئی اور کبھی ایک تجلی کی صورت میں نظر آتا ہے جسکی تڑپ کائنات کے ذرّے ذرّے میں موجود ہے اور ہمیشہ سرمایۂ حیات ثابت ہوتی ہے۔ اسی عشق کے نور سے مناظرِ حسن و جمال کی رنگینیاں وجود میں آتی ہیں، اور اسی عشق کی موسیقی سے دل و جان میں رقص کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جہانِ رنگ و بو کی پاکیزگی و دلکشی، تناسب، توازن، اور ترنم و موسیقی کا سرچشمہ یہی جذبۂ عشق ہے: مذہب اسی چشمہ سے پھوٹتا ہے اور تمام فنون لطیفہ اسی کی گود میں پرورش پاتے ہیں۔ اگر اسے آفتابِ عالمتاب کی حرارت اور روشنی ہے تو مذہب اور علوم و فنون بھی اپنی جان عشق اور رُوح افزا صورت میں قائم اور زندہ ہیں ورنہ وہ ایک قالبِ بے رُوح کی حیثیت رکھتے ہیں اور حقیقی معنوں میں انہیں مردہ تصور کرنا چاہیئے۔ عشق کی یہی حقیقت ہے جسکی بنا پر عصرِ حاضر کے اسلامی شاعر، فیلسوف اور مفکر علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

زرسم و راہِ شریعت نکردہ ام تحقیق ✦ جز اینکہ منکرِ عشق است کافر و زندیق

اور عشق کی اسی جامعیت کے پیشِ نظر مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں:

هرچه گویم عشق را شرح و بیان ✦ چون به عشق آیم خجل باشم از آن

گرچه تفسیر زبان روشن گر است ✦ لیک عشق بے زبان روشن تر است

عقل در شرحش چو خر در گل بخفت ✦ شرح عشق و عاشقی هم عشق گفت

آفتاب آمد دلیل آفتاب ✦ گر دلیلت باید از وے رو متاب

بہرحال عشق ایک جامع لفظ ہے جسکے مفہوم کی وسعت تمام کائنات کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے اور کسی اور زبان کے اندر اگر کوئی اور لفظ موجود ہے تو وہ فقط قرآن پاک کی اصطلاح لفظ ایمان ہے۔ ہاں کسی اور زبان یا لٹریچر کے اندر کوئی لفظ نہیں جو اتنے وسیع مفہوم پر حاوی ہو اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کر سکے تو یہ کہنا بے ضرورت نہیں ہے کہ دنیا کی تمام ادبی زبانوں میں جتنا لٹریچر وہی ہے جو اپنی گوناگوں شکلوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ عشق کا بیان یا اُسکی تفسیر ہے۔

اُوپر بھی ہم شعراء کا کلام نقل کرتے آئے ہیں۔ اور اب ہم فن شعر کے چند مستند اساتذہ کا کچھ کلام درج کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام خود اندازہ کر سکیں کہ ہمارے بیانات کہاں تک حقیقت مذکورکی آئینہ داری کرتے ہیں!

فارسی میں صوفیانہ شاعری کا آغاز حضرت سُلطان ابوسعید ابوالخیرؒ سے ہوا ہے۔ ہم یہاں تبرکاً ان کی دو رباعیاں نقل کرتے ہیں:۔

(۱) آں روز کہ آتش محبت افروخت ✦ عاشق روش سوز ز معشوق آموخت

از جانب دوست سر زد این سوز و گداز ✦ تا در نگرفت شمع پروانہ نسوخت

(۲) جز در رہ عشق تو نپوید ہرگز ✦ دل راز ترا بکس نگوید ہرگز

صحرای دلم عشق تو شورستان کرد ✦ تا مہر دگر کسے نروید ہرگز

سنائیؒ

فارسی صوفیانہ شاعری کا حقیقی معنوں میں اولین صحیفہ حکیم سنائی غزنویؒ کی مثنوی "حدیقۃ الحقیقۃ" تصور کی جاتی ہے۔ رومیؒ حکیم سنائی کی تعریف میں فرماتے ہیں:۔ ؎

ترک جوشی کردہ ام من نیم خام ✦ از حکیم غزنوی بشنو تمام (مثنوی)

؎ عطار روح بود و سنائی دو چشم او ✦ ما از پئے سنائی و عطار آمدیم (دیوان)

"حدیقہ" میں باب پنجم عشق کے متعلق ہے (بعض نسخوں میں یہ باب ہشتم ہے) ہم اس سے چند اشعار درج کرتے ہیں :-

دلبرِ دلربای، عشق آمد ◆ سر برِ سر نمای، عشق آمد
عشق با سر بریده گوید راز ◆ زانکہ داند کہ سر بود غماز
خیز و بنمای عشق را قامت ◆ کہ مؤذن بگفت قد قامت
عشق ہیچ آفریدہ را نبود ◆ عاشقی جز گزیدہ را نبود
آب آتش فروز عشق آمد ◆ آتش آب سوز عشق آمد
عشق بی چار میخ تن باشد ◆ مرغ دانا قفس شکن باشد
جان کہ دور از یگانگی باشد ◆ دان کہ چون مرغ خانگی باشد
کش بسوئ علو سفر نبود ◆ پر بود لیک اوج پر نبود
ہمتش آن بود کہ دانہ خورد ◆ تو قش آنکہ گرد خانہ پرد
بندہ عشق باش تا برہی ◆ از بلا ہا و زشتی و تہی
بندۂ عشق جان خر باشد ◆ مرد کشتی نہ، مرد دُر باشد
عاشق آنست کو زجان و تن ◆ زود برخیزد او نگفتہ سخن
جان و تن را بسے محل ننہد ◆ گنج را سکۂ دغل ننہد
کردگار لطیف و خالق بار ◆ ہست خود پاک و پاک خواہد کار
خطۂ خاک لہو و بازی راست ◆ عالم پاک پاکبازی راست
گر نکو بنگری نہ جائے شک است ◆ عشق را رہ در ای نہ فلک است
راہ نارفتہ را نیافتن است ◆ عشق بے خویشتن شتافتن است
عاشقی خود نہ کار فرزانہ است ◆ عقل در راہ عشق دیوانہ است
در رہ عشق کائنات ہمہ ◆ ستد از عجز نیو برات ہمہ
عشق برتر ز عقل و از جان است ◆ لِی مَعَ اللّٰہِ وقت مردان است

ہر چہ در کائنات جزو کُل است ✦ در رہِ عشق طاقہائے پُل است

عقل مردیست خواجگی آموز ✦ عشق دردیست پادشاہی سوز

زیرکی دیو و عاشقی آدم ✦ آن بہان تا بدین رسی در دم

عشق در پیش گیر و دل بگذار ✦ کز دلِ خیرہ بر نیاید کار

مرد را عشق تاجِ سر باشد ✦ عشق بہتر ز ہر ہنر باشد

قدمِ عقل نقد حالی جوی ✦ شعلۂ عشق لا اُبالی گوی

چون بترسی ہمی ز مُردن خویش ✦ عاشقی باش تا نمیری پیش

کہ اجل جان زندگان را بُرد ✦ ہر کہ از عشق زندہ گشت نمُرد

آتش بار و برگ باشد عشق ✦ ملک الموت مرگ باشد عشق

عاشقی کار شیر مردان است ✦ نہ بدعوی است بل ببرہان است

عشق مردان بود براہِ نیاز ✦ عشق تو ہست سوئے نان و پیاز

عشق، چون شمع زندہ، خواہد مرد ✦ دیدہ و دل سپید و طلعت زرد

کے در آئی بچشم مردِ خرد ✦ تو فروشی نفاق و نفس خرد

باطن تو حقیقتِ دل تست ✦ ہر چہ جز باطن تو باطل تست

دین ز دل خیزد و خرد ز دماغ ✦ دین چو روز آمد و خرد چو چراغ

آفتابی ببایدا انجم سوز ✦ بچراغ تو شب نگردد روز

از تن و جاہ و عقل و جان بگذر ✦ در رہِ حق دلے بدست آور

آنچنان دل کہ وقت پیچاپیچ ✦ جز خدا اندرو نباشد ہیچ

عطارؒ

ہفت شہر عشق را عطار گشت ✦ ما ہنوز اندر خمِ یک کوچہ ایم (رومی)

شعر میں عطارؒ کا شاہکار مثنوی "منطق الطیر" ہے۔ اس کی بحر اور مولانا رومؒ کی مشہور و معروف مثنوی کی بحر ایک ہی ہے۔ منطق الطیر میں ہد ہد پرندوں کو سیمرغ کے پاس (جس سے مُراد ذات باری تعالیٰ ہے)

جانے کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ پرندے معذرت کرتے ہیں اور ہدہد جواب میں عشق حقیقی کے نکات بیان کرتا ہے۔ آخر پرندے یہ طویل سفر اختیار کرتے ہیں اور دوران سفر میں اپنے اشکالات پھر پیش کرتے ہیں، اور ہدہد پھر جواب میں بہت سے رموز و اسرار کے چہرے سے نقاب اٹھاتا ہے۔ ہم یہاں عشق کے متعلق کچھ اشعار نقل کرتے ہیں :-

ہدہد بہ بلبل: ہدہدش گفت اے بصورت ماندہ باز + بیش ازیں در عشق و رعنائی مناز
عشق روی گل بسے خارت نہاد + کارگر شد بر تو و کارت نہاد
گل اگرچہ ہست بس صاحب جمال + حسن او در ہفتۂ گیرد زوال
عشق چیزی کان زوال آرد پدید + کاملان را زان ملال آید پدید

ہدہد بہ بوتیمار: گر تو از دریا نیائی برکنار + غرق گرداند ترا پایان کار
میزند او خود ز شوق دوست جوش + گاہ در موج است گاہے در خروش
ہست دریا چشمۂ از جوئے او + تو چرا قانع شوی بے روے او

داد دریا آن نکو دل را جواب + کز فراق دوست دارم اضطراب
خشک لب بنشستہ ام مدہوش من + ز آتش عشقش شدہ در جوش من

ہدہد بہ بوم: ہدہدش گفت اے ز عشق گنج مست + من گرفتم کامدت گنجی بدست
عشق گنج و حب زر از کافریست + ہر کہ او را دوست دارد آذریست
ہر دلے کز عشق زر گیرد خلل + در قیامت صورتش گردد بدل

ہدہد بہ مرغان: ہدہد آنگہ گفت اے بیحاصلان + عشق کے نیکو بود از بددلان
ای گدایان چند ازین بیحاصلی + راست ناید عاشقی و بددلی
ہر کرا در عشق چشمی باز شد + پای کوبان آمد و جانباز شد
چون کسے را نیست چشم آن جمال + وز جمالش ہست صبر ما محال
با جمالش عشق نتوانست باخت + از کمال لطف خود آئینہ ساخت
ہست آن آئینہ دل بر دل نگر + تا ببینی روے او در دل نگر

ہدہد بہ ہمہ: چنین گفت آن زمان + کانکہ عاشق شد نیندیشد ز جان

سدرہ جان است جان ایثار کن + پس برافگن پردہ و دیدار کن

عشق آتش در ہمہ خرمن زند + ارہ بافرقش نہنہ اُو تن زند

درد وخون دل بباید عشق را + قصۂ مشکل بباید عشق را

ساقیا خون جگر در جام کن + گر نداری درد از ما وام کن

عشق را دردے بباید پردہ سوز + گاہ جان را پردہ در گہ پردہ دوز

عشق مغز کائنات آمد مدام + لیک نبود عشق بے دردے تمام

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست + درد را جز آدمی درخورد نیست

ہر کہ اُو ہمرنگ یار خویش نیست + عشق اُو جز رنگ و بوئے بیش نیست

عشقہائے کز پئے رنگے بود + عشق نبود عاقبت ننگے بود

رُومی ؒ

ے تن من بہ ماہ ماند کہ ز عشق می گدازد + دل من چو چنگ زہرہ کہ گسستہ تار بادا

مولانا رومؒ کے حقائق و معارف زندۂ جاوید اور زبان زدِ خلائق ہیں۔ انکی مثنوی کے متعلق کہا گیا ہے:

ے مثنویِ مولویِ معنوی + ہست قرآں در زبان پہلوی

خود مصنف کے متعلق مشہور ہے:

ے من چہ گویم وصف آں عالی جناب + نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

مثنوی اور دیوان کے موضوع کے لئے اگر ایک لفظ مطلوب ہو تو وہ عشق ہے۔ مثنوی سے اشعار اوپر بھی نقل کئے جا چکے ہیں، یہاں بھی ہم تبرکاً چند اشعار شروع کتاب سے نقل کرتے ہیں:-

بشنو از نے چون حکایت می کند + از جدائیہا شکایت می کند

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند + از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق + تا بگویم شرح درد اشتیاق

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش + باز جوید روزگار وصل خویش

آتش است این بانگ نای و نیست باد + ہر کہ این آتش ندارد نیست باد۔

آتش عشق است کاندر نے فتاد ❖ جوشش عشق است کاندر مے فتاد
نے حریف ہر کہ از یارے برید ❖ پردہایش پردہاے ما درید
ہمچو نے زہرے و تریاقے کہ دید ❖ ہمچو نے دمساز و مشتاقے کہ دید
نے حدیث راہ پُر خُون می کند ❖ قصّہای عشق مجنُون می کند
محرم این ہوش جز بیہوش نیست ❖ مر زبان را مُشتری جز گوش نیست
در نیابد حال پختہ ہیچ خام ❖ پس سخن کوتاہ باید والسلام
بند بگسل باش آزاد اے پسر ❖ چند باشی بند سیم و بند زر
ہر کرا جامہ ز عشقی چاک شد ❖ اُو ز حرص و جملہ عیبے پاک شد
شاد باش اے عشق خوش سودائ ما ❖ اے طبیب جملہ علت ہائ ما
ای دوای نخوت و ناموس ما ❖ ای تو افلاطون و جالینوس ما
جسم خاک از عشق بر افلاک شد ❖ کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق جان طور آمد عاشقا ❖ طور مست و خرّ موسےٰ صاعقا
جملہ معشوق است و عاشق پردۂ ❖ زندہ معشوق است و عاشق مُردۂ
چون نباشد عشق را پروای اُو ❖ اُو چو مُرغی ماند بے پر، وای اُو
من چگونہ ہوش دارم پیش و پس ❖ چون نباشد نور یارم پیش و پس
عشق خواہد کاین سخن بیرُون بود ❖ آئنہ غمّاز نبود چون بود
آئنہ ات دانی چرا غمّاز نیست ❖ زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

دیوان بھی والہانہ جوش و سرمستی کا ایک بحر بے پایاں ہے، ہم یہاں دو غزلوں کے چند اشعار درج کرتے ہیں:۔

اے عاشقاں اے عاشقاں آنکس کہ بیند روی اُو ❖ شوریدہ گردد بخت او آشفتہ گردد خُوے اُو
معشوق را جویاں شود دُکان اُو ویران شود ❖ بر رُوی و سر پویاں شود چون آب اندر جُوی اُو
در عشق چون مجنُون شود سرگشتہ چوں گردُون شود ❖ پُرکیسہ چوں قارُون شود چون یابد راہ سوی اُو
جان ملک سجدہ کند آنرا کہ اُو را خاک شد ❖ تُرک فلک چاکر شود آنرا کہ شد ہندوی اُو

عشقش دل پُر درد را بر کف نهد بو می کند + چون خوش نباشد آن دلی کو هست دلجوی او

شاهان همه مسکین او خوبان قراضه چین او + شیران زده دم بر زمین پیش سگان کوی او

او هست از صورت بری کارش همه صورتگری + ای دل ز صورت نگذری زیرا نهٔ یکتوی او

داند دل هر نیک دل زآواز دل زآواز گل + غرّیدن شیر است این در صورت آهوی او

آن عشق شد مهمان ما زخمی برد بر جان ما + صد رحمت و صد آفرین بر دست و بر بازوی او

(۲) ای بردہ جان و تن در پای او + هر دو عالم غرقهٔ دریای او

در شمار عاشقان بودیم دوش + بر مثال ریگ در صحرای او

خیمه بر خیمه طناب اندر طناب + پیش شاه عشق و لشکرهای او

خیمهٔ جان را ستون از نور پاک + نور جان از تابش سیمای او

عشق شیر و عاشقان اطفال شیر + در میان پنجهٔ ده تای او

در کدامین پرده پنهانست عشق + کس نه بیند کس نداند جای او

عشق چون خورشید ناگه سر کشد + بر شود تا عرش حق غوغای او

سعدیؒ

ای مرغ سحر عشق ز پروانه بیاموز + کان سوخته را جان شد و آواز نیامد

این مدعیان در طلبش بیخبرانند + کان را که خبر شد خبرش باز نیامد

گر کسی وصف او ز من پرسد + بیدل از بی‌نشان چه گوید باز

عاشقان کشتگان معشوقند + بر نیاید ز کشتگان آواز

شیخ "غزل کے امام" بلکہ پیغمبر ہیں، اور ان کا دیوان "نمکدانِ شعرا" ہے۔ انھوں نے مجاز و حقیقت، دونو کے متعلق نغمہ سرائی کی ہے۔ مجاز کی لَے گو نسبتاً زیادہ ہے، لیکن اہل دل اور اہل نظر کو حقیقت ہر مقام پر جلوہ ریز دکھائی دیتی ہے۔ تیمناً ہم ایک غزل یہاں نقل کرتے ہیں۔ بوستان کے باب سوم کا مطالعہ کرنا چاہیے جس میں عشق حقیقی کے وہ اسرار بیان کئے گئے ہیں جو کسی دوسری جگہ نہیں ملینگے :۔

عشق بازی چیست سر در پای جانان باختن + با سر اندر کوی دلبر عشق نتوان باختن

اسپ دمیہ ران رسوائی جہانم مردوار + بیش ازین درخانہ نتواں گوی وچوگان باختن

پاکبازان طریقت راصفت دانی کہ چیست + بر بساط نرد عشق اول بود جان باختن

زاہدی بریاد الآمال ومنصب دادن است + عاشقی در ششدر لا کفر وایمان باختن

بر کفی جام شریعت بر کفی سندان عشق + ہر ہوسناکی نداند جام وسندان باختن

سعدیا صاحبدلان شطرنج وحدت باختند + رو تماشا کن کہ نتوانی چوایشان باختن

عراقیؒ

ے نخستین بادہ کاندر جام کردند + ز چشم مست ساقی وام کردند

چو خود کردند راز خویشتن فاش + عراقی را چرا بدنام کردند

ے مرا جز عشق تو جانے نمی بینم نمی بینم + دلم را جز تو جانانے نمی بینم نمی بینم

یہاں ہم عراقی کے "لمعات" سے دو قطعے (نظمیں) عشق کے متعلق درج کرتے ہیں اور کچھ اشعار عشاق نامہ سے نقل کرینگے۔

(۱) عشق در پردہ می نوازد ساز + عاشقی کو کہ بشنود آواز

ہر نفس نغمۂ دگر سازد + ہر زمان زخمۂ کند آغاز

ہمہ عالم صدای نغمۂ اوست + کہ شنید این چنین صدای دراز

راز او از جہان برون افتاد + خود صدا کے نگاہ دارد راز

سر او از زبان ہر ذرہ + خود تو بشنو کہ من نیم غماز

(۲) عشق کی زبان سے:

عشقم کہ در دو کون مکانم پدید نیست + عنقای مغربم کہ نشانم پدید نیست

ز ابرو و غمزہ ہر دو جہان صید کردہ ام + منگر بدان کہ تیر و کمانم پدید نیست

چون آفتاب در رخ ہر ذرہ ظاہرم + از غایت ظہور عیانم پدید نیست

گویم بہر زبان و بہر گوش بشنوم + وین طرفہ ترکہ گوش و زبانم پدید نیست

چون ہر چہ ہست در ہمہ عالم ہمہ منم + مانند در دو عالم از آنم پدید نیست

عشاق نامه :

جبذا عشق و جبذا عشاق + جبذا ذکر دوست با عشاق
جبذا آن زمان که در رهِ عشق + بی خود از سر کنند پا عشاق
بگشادند در سرای وجود + دری از عالم صفا عشاق
خوش بلائیست عشق ازان دارند + دل و جان را دران بلا عشاق
آفتابِ جمال او دیدند + نور دارند ازان ضیا عشاق

عاشقان ره بعشق می پویند + درس تنزیل عشق می گویند
از شرابِ الست مستانند + تا ابد جمله می پرستانند
عشق را رهگذر دل و جان است + اولش طعنه در دل و جان است
انجم افروز اندرون عشق است + علت حکم کاف و نون عشق است
چون ز قوت سوی کمال آمد + کرسیٔ تخت لا یزال آمد
عشق معنی صراط عشاق است + عشق صورت رباط عشاق است
تا ازین راه بر کران نشوی + در خور خیل صادقان نشوی

از عراقی سلام بر عشاق + آن جگر خستگان درد فراق
آن غریبانِ منزلِ دنیا + آن عزیزان جنت المأوی
محرمان سراچهٔ قدسی + لوح خوانان آیتہ الکرسی
پادشاہان تخت روحانی + غوطه خواران بحر نورانی

عشق در هر دلے که سر برزد + خیمه از عقل و علم برتر زد
هر دلے کو بعشق بینا شد + منزلش زیر بود بالا شد
هر ارادت که از محبت شد + یا از انعام یا ز رایت شد
اولش عام و آخرش خاص است + محض لطف است و عین خاص است
چون محبت رسد بعین کمال + در دل و جان و الهان جمال

عشق نامش نہند اولو الاشواق ✦ چون رسد آن بحد استغراق

ہرکہ از عشق بے خبر باشد ✦ اندرین رہ بسان خر باشد

بی خبر در بریدن منزل ✦ قند در پشت و کاہ و جو در دل

روز و شب سال و ماہ آوارہ ✦ در بیابان نفس امارہ

وبحک ای بی خبر ز عالم عشق ✦ ناچشیدہ حلاوت غم عشق

خر صفت بار کاہ و جو بردہ ✦ بی خبر زادہ بی خبر مردہ

از صفاہای عشق روحانی ✦ بی خبر در جہان چو حیوانی

ہر لطافت کہ در جمال افزود ✦ اثر چشم پاک بازان بود

گر تو پاکی نظر بپاکی کن ✦ انقطاع از طباع خاکی کن

شور اہل صفا بجازی نیست ✦ عشق بازی خیال بازی نیست

رود در عشق آن نگارین زن ✦ کہ تو از عشق او شدی احسن

ہر کہ عشقش نپخت خام بماند ✦ مرغ جانش اسیر دام بماند

عشق ذوقیست ہمنشین حیات ✦ بلکہ چشمیست بر جبین حیات

عشق افزون ز جان و دل جانیست ✦ بلکہ در ملک روح سلطانیست

گاہ باشد کہ عشق جان گردد ✦ گاہ در جان جان نہان گردد

آب در میوۂ خرد عشقست ✦ بلکہ آب حیات خود عشقست

لذت عشق عاشقان دانند ✦ پاک بازان جان فشان دانند

خسروؔ

این شربت عاشقی ست خسرو ✦ بی خون جگر چشید نتوان

آئیے اب تھوڑی دیر کے لئے "طوطیٔ ہند" کے "شکرستان" سے روح و جان کو کامیاب و لذت اندوز کریں:

(۱) از ہجو توئے برید نتوان ✦ بر تو دگرے گزید نتوان

تا چند کرشمۂ جفایت آخر ✦ محنت ہمہ عمر دید نتوان

زین پس من و جور عشق تسلیم ✤ کو آمده سر کشید نتوان
غم سینہ بسوخت چون توان کرد ✤ خود پردهٔ خود درید نتوان
یاران عزیز پند گویند ✤ گویند ولی شنید نتوان
ایوان مراد بس بلند است ✤ در وی بہوس رسید نتوان
این شربت عاشقی ست خسرو ✤ بی خون جگر چشید نتوان

(۲) غارت عشقت رسید رخت دل از ما برد ✤ فتنه بکمین سر کشید شحنه بخون پی فشرد
عشق اگر ذره ایست سهل نباید گرفت ✤ آتش اگر شعله ایست خرد نباید شمرد
عشق که مردان کشد سفله بجوید حریف ✤ تیغ که سرها برد مو نتواند سپرد
خسرو اگر عاشقی سر بمیان آر ازانک ✤ هر که درین راه رفت سر بسلامت نبرد

(۳) ما دلشدگان بیقراریم ✤ ما سوختگان خام کاریم
آتش زدگان سوز عشقیم ✤ رسوا شدگان کوی یاریم
بودیم خراب ساقی دوش ✤ وامروز هم اندران خماریم
ما خاک رهیم همچو خسرو ✤ در کوی کسی بیادگاریم

حافظؒ

این جان عاریت که بہ حافظ سپرد دوست ✤ روزی رخش ببینم و تسلیم وی کنم

آؤ "لسان الغیب" کے خمخانے سے بھی چند جام نوش کریں:

در ازل پرتو حسنت ز تجلی دم زد ✤ عشق پیدا شد و آتش بہمہ عالم زد
جلوهٔ کرد رخش دید ملک عشق نداشت ✤ عین آتش شد ازین غیرت و بر آدم زد
مدعی خواست کہ آید بتماشاگہ راز ✤ دست غیب آمد و بر سینهٔ نامحرم زد
عقل میخواست کز ان شعلہ چراغ افروزد ✤ برق غیرت بدرخشید و جهان برهم زد
نظری کرد کہ بیند بجهان صورت خویش ✤ خیمه در آب و گل مزرعهٔ آدم زد
حافظ آن روز طرب نامهٔ عشق تو نوشت ✤ کہ قلم بر سر اسباب دل خرم زد

مبین حقیر گدایان عشق را کین قوم ÷ شہان بی کمر و خسروان بی کلہ اند

جناب عشق بلند است ہمتے حافظ ÷ کہ عاشقان رہ بے ہمتان بخود ندہند

عشقت نہ سرسریست کہ از سر بدر شود ÷ مہرت نہ عارضیست کہ جای دگر شود

عشق تو در وجودم و مہر تو در دلم ÷ باشیر در بدن شد و باجان بدر شود

حافظ صبور باش کہ در راہ عاشقی ÷ ہر کس کہ جان نداد بجانان نمی رسد

ناز پرورد تنعم نبرد راہ بدوست ÷ عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

از صدای سخن عشق ندیدم خوشتر ÷ یادگاری کہ درین گنبد دوار بماند

جناب عشق را در گہ بسی بالاتر از عقل است ÷ کسی آن آستان بوسد کہ جان در آستین دارد

در خانقہ نگنجد اسرار عشق و مستی ÷ جام مئے مغانہ ہم با مغان توان زد

اہل نظر دو عالم در یک نظر بباز ند ÷ عشقست و داو اول بر نقد جان توان زد

عاشقان را بر سر خود حکم نیست ÷ ہر چہ فرمان تو باشد آن کنند

عید رخسار تو کو تا عاشقان ÷ در وفایت جان و دل قربان کنند

عجب راہیست راہ عشق کانجا ÷ کسے سر بر کند کش سر نباشد

بشوی اوراق اگر ہمدرس مائی ÷ کہ علم عشق در دفتر نباشد

در کاخانہ عشق از کفر ناگزیر است ÷ آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

جامیؒ

ھ بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی ÷ کہ دریں راہ فلان ابن فلان چیزی نیست

عارف جامیؒ کے ہاں شراب معرفت کا دور چل رہا ہے، آؤ ہم بھی چند ساغر پی کر عرفان کی سرمستی سے بہرہ اندوز ہوں:

یوسف زلیخا: دلے فارغ ز درد عشق دل نیست ÷ تنے بی درد دل جز آب و گل نیست

ز عالم رویت آور، در غم عشق ÷ کہ باشد عالمی خوش عالم عشق

غم عشق از دل کس کم مبادا ÷ دل بی عشق در عالم مبادا

فلک سرگشته از سودای عشق است + جهان پر فتنه از غوغای عشق است
اسیر عشق شو کاندیشه این است + همه صاحبدلان را پیشه این است
اسیر عشق شو کازاد باشی + غمش بر سینه نه تا شاد باشی
مئے عشقت دہد گرمی و مستی + دگر افسردگی و خود پرستی
زیاد عشق عاشق تازگی یافت + ز ذکر او بلند آوازگی یافت

دیوانِ
نشان نبود ز عهد الست و قول بلےٰ + که میرسید بگوش دلم ز عشق ندائے
ازان نداست که جانم فداست صد ره عشق + هزار جان گرامی فداش باد فدائے
ازان نداست که از شاخ سرو مرغ چمن + بر اهل ذوق کند داستان عشق بلےٰ
ز عکس جلوهٔ معشوق بهره مند نشد + کسے که آئینهٔ خویش را نداد جلائے
در راه عشق زهد و سلامت نمی خرند + خوش آنکه با جفا و ملامت گرفت خوئی
بی رنگی است و بی صفتی وصف عاشقان + این شیوه کم طلب ز اسیران رنگ و بوئی
می نالم از جدائی تو دم بدم چو نے + وین طرفه ترکه از تو نیم یک نفس جدا
عشق است و بس که در دو جهان جلوه میکند + گاه از لباس شاه و گه از کسوت گدا
جامی ره هدیٰ بخدا غیر عشق نیست + گفتیم والسلام علیٰ تابع الهدیٰ
در ره فقر و فنا بے مدد عشق مرو + که کمینگاه حوادث بود این مرحلها
تا شدم فارغ باستغنای عشق از هر مراد + بر مراد خویش یابم گردش ایام را
نبینم لاله رخسارے درین باغ + که داغم عشقت او را بر جبین نیست
چه سود لے زاہد از دلق ملمع + چو از عشقت علم بر آستین نیست

اقبالؒ

عاشقی؟ توحید را بر دل زدن + وانگہے خود را بہر مشکل زدن

عصرِ حاضر کے فیلسوف شاعر اور مفکر اقبالؒ نے عشق کے اسرار و رموز نئے انداز سے بیان کئے ہیں: ہم ان کی فارسی تصانیف میں سے کچھ اشعار یہاں نقل کرتے ہیں:

استحکامِ خودی از عشق و محبت است :

فطرتِ او آتش اندوزد ز عشق + عالم افروزی بیاموزد ز عشق

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست + اصلِ عشق از آب و باد و خاک نیست

در جہان ہم صلح و ہم پیکار عشق + آبِ حیوان، تیغِ جوہر دار عشق

از نگاہِ عشق خارا شق شود + عشقِ حق آخر سراپا حق شود

قلب را از صبغة اللہ رنگ دہ + عشق را ناموس و نام و ننگ دہ

طبعِ مُسلم از محبت قاہر است + مُسلم ار عاشق نباشد کافر است

تابعِ حق دیدنش نادیدنش + خوردنش، نوشیدنش، خوابیدنش

خیمہ در میدانِ الّا اللہ زدہ است + در جہان شاہد علی الناس آمدہ است

قربِ حق از ہر عمل مقصود دار + تا ز تو گردد جلالش آشکار

عشق در جان و نسب در پیکر است + رشتۂ عشق از نسب محکم تر است

حریتِ اسلامیہ و سرِ حادثۂ کربلا

ہر کہ پیمان با ہُوَ الموجود بست + گردنش از بندِ ہر معبود رست

مومن از عشق است و عشق از مومن است + عشق را ناممکن ما ممکن است

عشق و عقل

عقل سفاک است و او سفاک تر + پاک تر، چالاک تر، بیباک تر

عقل در پیچاکِ اسباب و علل + عشق چوگان باز میدانِ عمل

عشق صید از زورِ بازو افگند + عقل مکار است و دامے می زند

عقل را سرمایہ از بیم و شک است + عشق را عزم و یقیں لاینفک است

عقل گوید شاد شو آباد شو + عشق گوید بندہ شو آزاد شو

عشق را آرامِ جان حریت است + ناقہ اش را ساربان حریت است

آن شنیدستی کہ ہنگامِ نبرد + عشق با عقلِ ہوس پرور چہ کرد

آن امامِ عاشقان پورِ بتولؓ + سروِ آزادے ز بستانِ رسولؐ

سرخ رو عشق غیور از خون او + شوخی این مصرع از مضمون او
بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است + پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است
ما سوا اللہ را مسلمان بندہ نیست + پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
عشق آئین حیات عالم است + امتزاج سالمات عالم است
عشق از سوز دل ما زندہ است + از شرار لا الٰہ تابندہ است

ــہ بہ برگ لالہ رنگ آمیزی عشق + بجان ما بلا انگیزی عشق
اگر این خاکدان را واشگافی + درونش بنگری خون ریزی عشق

ــہ تہی از ہای و ہو میخانہ بودے + گل ما از شرر بیگانہ بودے
نبودے عشق و این ہنگامۂ عشق + اگر دل چون خرد فرزانہ بودے

ــہ سفالم را مئے او جام جم کرد + درون قطرہ ام پوشیدہ یم کرد
خرد اندر سرم بتخانہ ریخت + خلیل عشق دیرم را حرم کرد

خطاب بہ رسول اللہؐ
جہان از عشق و عشق از سینۂ تست + سرورش از مئے دیرینۂ تست
جز این چیزی نمیدانم ز جبریلؑ + کہ او یک جوہر از آئینۂ تست

ــہ نہان اندر دو حرفے سرِ کار است + مقام عشق منبر نیست دار است
براہیمان ز نمرودان نترسند + کہ عود خام را آتش عیار است

ندارد عشق سامانے و لیکن تیشہ دارد + خراشد سینۂ کہسار و پاک از خون پرویز است
نشیمن ہر دو را در آب و گل لیکن چہ راز است این + خرد را صحبت گل خوشتر آید دل کم آمیز است

ہر دو بمنزلے رواں، ہر دو امیر کاروان + عقل بحیلہ می برد، عشق برد کشان کشان
عشق ز پا در آورد، خیمۂ شش جہات را + دست دراز می کند، تا بہ طناب کہکشان

یم عشق کشتی من، یم عشق ساحل من + نہ غم سفینہ دارم، نہ سر کرانہ دارم
رہے بمنزل آن ماہ سخت دشوار است + چنانکہ عشق بدوش ستارہ می گذرد

چنان خود را نگہداری کہ با این بے نیازی‌ہا + شہادت بر وجود خود ز خون دوستان خواہی

مقام بندگی دیگر، مقام عاشقی دیگر + ز نوری سجدہ میخواہی ز خاکی بیش از آن خواہی

عقل ورق ورق بگشت، عشق بہ نکتہ رسید + طائر زیرکے برد دانہ زیر دام را

حسن بے پایان درون سینہ خلوت گرفت + آفتاب خویش را زیر گریبانے نگر

بہ دل آدم زدی عشق بلا انگیز را + آتش خود را بآغوش نیستانے نگر

غلام زندہ دلانم کہ عاشق سرہ اند + نہ خانقاہ نشینان کہ دل بکس ندہند

نگاہ از مہ و پروین بلند تر دارند + کہ آشیان بگریبان کہکشاں تہند

بچشم کم منگر عاشقان صادق را + کہ این شکستہ بہایان متاع قافلہ اند

در غلامی عشق و مذہب افتراق + انگبین زندگانی بد مذاق

عاشقی؟ توحید را بر دل زدن + وانگہے خود را بہر مشکل زدن

عشق صیقل می زند فرہنگ را + جوہر آئینہ بخشد سنگ را

اہل دل را سینۂ سینا دہد + با ہنرمندان ید بیضا دہد

دلبری بے قاہری جادوگری است + دلبری با قاہری پیغمبری است

ہر دو را در کارہا آمیخت عشق + عالمے در عالمے انگیخت عشق

فصل پنجم: شمشیر شہادت (شواہد شعرائے اردو)

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي، وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (بنی اسرائیل)

پیش از ظہور عشق کسی کا نشان نہ تھا + تھا حسن میزبان کوئی میہمان تھا
(حالیؔ)

اس فصل میں ہم چار اُردو شعراء کے کچھ اشعار، جن میں عشق کا استعمال ہوا ہے، درج کرینگے۔ چونکہ آجکل کالجوں میں بیشتر غالبؔ، حالیؔ اور اقبالؔ کا کلام پڑھایا جاتا ہے۔ اسلئے اس خاص مقصد کے پیش نظر ہم نے انہی تین شاعروں کا انتخاب موزوں خیال کیا۔ لیکن حضرت خواجہ میر دردؔ "اردو کے بہترین صوفی شاعر ہیں" لہٰذا تبرکاً و تیمناً ان کے دیوان سے بھی کچھ اشعار نقل کرینگے۔

اشعار کے درج کرنے سے پیشتر ہم قارئین کرام کی خاطر بالعموم اور اپنے عزیز طالب علم دوستوں کی خاطر بالخصوص چند اصولی باتوں کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں، جو اس سلسلے میں یقیناً مفید ثابت ہونگی :-

(۱) کامل و مکمل خدا تعالےٰ کی ذات پاک ہے جس کے کلام میں کبھی تناقض واقع نہیں ہو سکتا۔ بمقتضائے بشریت شعراء کے کلام میں تضاد کا امکان ہے۔

(۲) جب لفظ عشق کے استعمال میں شعراء کے ہاں کہیں تناقض و تخالف نظر آئے تو رائے قائم کرتے وقت یہ دیکھنا چاہئے کہ شاعر نے زیادہ تر لفظ کا استعمال کن معنوں میں کیا ہے۔

(۳) ہر شاعر عشق حقیقی کی دولت اپنی ماں کے پیٹ سے ہی اپنے ساتھ نہیں لاتا، بلکہ قانون نشو و ارتقاء کے مطابق مجاز سے حقیقت کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس امر کا انحصار ہر شخص کی اپنی فطری استعداد اور توفیق خداوندی پر ہے: بعض ممکن ہے ایک ہی جست میں مجاز کے تمام بندھنوں کو توڑ کر حقیقت کی بلندیوں میں پرواز کرنے لگ جائیں، بعض آہستہ آہستہ ایک مدت میں یہ منزلیں طے کر کے وادئ عشق حقیقی میں پہنچیں، اور پھر بعض کیا بلکہ اکثر غالباً کبھی بھی عشق مجازی کی زنجیروں سے رہائی حاصل

نہ کر سکیں۔ اس لئے اگر ایک شاعر کے کلام میں ہمواری اور یکسانی نظر نہ آئے تو یہ بات محل تعجب نہیں ہونی چاہیئے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ شاعر کے کلام سے بحیثیت مجموعی کیسی فضا پیدا ہوتی ہے، اور اس کا مطالعہ آپکے دل پر کیا نقش چھوڑ جاتا ہے۔

(۴) شعراء ربانی کا لقب ہم نے اُن چند مخصوص برگزیدہ ہستیوں کے لئے انتخاب کیا ہے جنکے ہاں فقط حقیقت کی نغمہ سرائی ہے، اور اگر کہیں مجازی انداز بیان ہے تو اس میں بھی حقیقت ہی جھلک رہی ہے۔ یہ مقولہ اُن فارسی شعراء کی اکثریت پر صادق آتا ہے جن کا کلام ہم اُوپر نقل کر چکے ہیں۔

(۵) غالبؔ اور حالیؔ کے ہاں مجازی اور حقیقی دو نو قسم کے اشعار ہیں، اسلئے اُن کے ہر شعر میں عشق کو ایمان کا مترادف ثابت کرنے کی بے سُود کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ ہاں البتہ دونوں کے ہاں عشق کے موضوع پر بلند پایہ اشعار ملتے ہیں، بلکہ دونوں کے دیوانوں میں بلند ترین اشعار وہی ہیں جن میں حقیقت کے متعلق نغمہ سرائی کی گئی ہے۔ گویا اقبال کا یہ شعر، جو انہوں نے غالبؔ کے متعلق لکھا تھا، دونو پر صادق آتا ہے:

دید تیری آنکھ کو اس حُسن کی منظور ہے ✦ بن کے سوز زندگی ہر شے میں جو مستُور ہے

(۶) البتہ اقبال کا مقام اور ہے: ان کے ہاں ابتدائی غزلوں کے ایک آدھ شعر کو چھوڑ کر ہر جگہ حقیقت کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ اپنی فارسی تصانیف میں انھوں نے عشق کو رومی کی پیروی میں وسیع و جامع مفہوم دیکر ایک ایسی ذہنیت پیدا کرلی کہ اپنے اردو کلام میں بھی وہ بے تکلف عشق، عقل وغیرہ الفاظ کو انہی جامع اور وسیع معنوں میں باندھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ صُور انہوں نے اپنے فارسی اور اردو کلام میں اس بلند آہنگی سے پھونکا ہے کہ اس حقیقت سے فقط وہی لوگ بے خبر رہ سکتے ہیں جو قوت سماعت کی نعمت سے محروم ہوں یا جنھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس رکھی ہوں اور کسی آواز کے سننے کیلئے تیار نہ ہوں۔

(۷) ایک اور بات بھی اس سلسلے میں یاد رکھنی چاہیئے، اور وہ یہ کہ ہر شاعر کے اپنے خصائص ہیں اور وہ ہر جگہ اسکے کلام میں نظر آتے ہیں۔ مثلاً مرزا غالبؔ شوخی اور ظرافت کے پتلے ہیں، اور اس کے باوجود ان کے کلام میں ایک مایوسی و حسرت کا منظر بھی دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے اگر ہم اُن کے دیوان میں ذیل کے اشعار پڑھتے ہیں

ـــہ بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل + کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

ـــہ عشق نے غالبؔ نکما کر دیا + ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

تو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ عشق کی حقیقت کے متعلق فتوے دے رہے ہیں، بلکہ پہلے شعر کو اُن کی رُوحِ شوخی و ظرافت اور دوسرے کو طبعی یاس و قنوط پر محمول کرنا چاہیئے۔ اولاً اس لئے کہ اُن کے دیوان میں عشق کی حقیقت پر جو اشعار ہیں، اور جن سے دیوان پُر ہے، وہ اس نوع کے حامل نہیں جس کا اظہار ان اشعار میں کیا گیا ہے، اور ثانیاً انسان کی دلی کیفیات اور واردات مختلف اوقات میں مختلف ہوتی ہیں، اسلئے کسی خاص وقت یہ کیفیت ان پر طاری ہوگی اور انھوں نے اس کا اظہار کر دیا۔

(۸) ہمارے عزیز طالبعلموں کو چاہیئے کہ ذوق تحقیق پیدا کریں، اور اِدھر اُدھر سے سُنی سنائی باتوں پر ہی آمنّا و صدّقنا نہ کہدیا کریں۔ اس کے لئے بلند ہمتی اور روشن دماغی کی ضرورت ہے، تاکہ محنت اور دیانت سے کام لیکر ہمارے عزیزان مکرم حقیقت کا سُراغ لگانے میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ اس بات کو ہم چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں، جو ہمارے موضوع سے تعلق رکھتی ہیں:

(الف) ایک عزیز طالب علم مجھ سے کہنے لگے کہ "عشق کا لفظ حالیؔ کے ہاں استعمال نہیں ہوا"۔ جب میں نے کہا: "کم و بیش پچاس مرتبہ عشق و عاشق کے الفاظ ان کے دیوان میں آئے ہیں"، تو بولے: "ہاں غزلیاتِ قدیم میں ہونگے"۔ جب میں نے بتایا کہ "غزلیاتِ جدید میں عشق کا لفظ قدیم کی نسبت زیادہ مرتبہ استعمال ہوا ہے"، تو انہیں بہت تعجب ہوا، اور کہنے لگے: "اب میں دیوان کو ضرور پڑھونگا، تاکہ براہ راست معلومات حاصل کر سکوں"۔

(ب) ایک اور عزیز دوست نے ایک دن کہا: "حالیؔ کی ان دو رباعیوں کو دیکھیے عشق کی کتنی مذمت کی ہے"۔ میں نے جواب دیا: "ایک اور رباعی میں بھی انھوں نے عشق کو اسی ہوس کے معنوں میں استعمال کیا ہے، گویا اپنے دیوان میں تین مرتبہ عشق سے ہوس مراد لیکر اس کی مذمت کی ہے: لیکن چالیس پچاس مقامات پر عشق کی تعریف کی ہے اور اسکو اپنی طرف بھی نسبت دی ہے۔ فرمایئے رائے قائم کرنے میں آپ ان مقامات کو نظر انداز کرینگے یا ان تین رباعیوں کو؟ علاوہ بریں انھوں نے تو خود ایک پوری غزل عشق اور ہوس کے امتیاز میں لکھ کر اس "گناہ" کی تلافی کر دی ہے۔ فرماتے ہیں:

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں + ہیں مئے ناب کے دلال قدح خوار نہیں

دعویٰ عشق و محبت پہ نہ جانا ان کے + ان میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں

اور یاد رہے کہ یہ غزل جدید ہے، قدیم نہیں"۔

(ج) ایک اور عزیز مکرم ایک روز فرمانے لگے: "عشق و عاشق بہت رکیک اور سبک الفاظ ہیں دیکھئے ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کے سلسلے میں استعمال نہیں ہوتے"۔ میں نے کہا: "مولانا حالی کی نظم "چپ کی داد" عورتوں کے متعلق ہے اور بہت مشہور ہے۔ اسمیں عورتوں سے خطاب ہے، اس طرح شروع ہوتی ہے:

ے اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دُنیا کی زینت تم سے ہے + ملکوں کی بستی ہو تمہیں قوموں کی عزت تم سے ہے

بند ششم میں فرماتے ہیں:

ے گو نیک مرد اکثر تمہارے نام کے عاشق ہے + پر نیک ہوں یا بد، رہے سب متفق اس رائے پر

جب تک جیو تم، علم و دانش سے رہو محروم یاں + آئی ہو جیسی بے خبر ویسی ہی جاؤ بے خبر

اور معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ نظم ۱۹۰۵ء میں لکھی گئی تھی"۔

(د) ایک طالب علم دوست مولانا حالی کی اس مشہور غزل کے متعلق جس کا مطلع ہے:

ے اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا + جس گھر سے سر اٹھایا اسکو بٹھا کے چھوڑا

مجھ سے تبادلۂ خیالات کر رہے تھے، اور کہہ رہے تھے کہ ملاحظہ فرمائیے حالی عشق کو کتنا برا خیال کرتے ہیں۔ میں نے جواب میں کہا: "عشق سے مراد اگر ہوسناکی ہے تو یقیناً برا ہے۔ لیکن اس غزل میں تو عشق کی زبردست قاہرانہ طاقت کا بیان ہے اور اسکی تعریف بھی ہے۔ اسکی قوت و طاقت کا تو یہ حال ہے کہ گردن کشوں کو نیچا دکھاتا ہے، عقل و خرد کا خاکہ اڑاتا ہے، علم و ادب کو شکست دیتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ تعریف اسکی یہ ہے:

ے افسانہ تیرا رنگیں، رُوداد تیری دلکش + شعر و سخن کا تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اور اگر آپ اس پر مُصر ہیں کہ عشق کی مذمت بیان ہو رہی ہے تو غور کیجئے کہ حضرت یعقوبؑ کی طرف بھی اس کی نسبت ہے: ع یعقوبؑ سے بشر کو دی تُو نے ناصبوری

اور پھر مولانا حالی اپنے آپ کو بھی اس سے منسوب فرما رہے ہیں:

؎ اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا + اسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

اب فرمائیے کیا ارشاد ہے ؟"

(ھ) ایک دن ایک عزیز طالب علم دوست میرے پاس آئے اور کہنے لگے: "دیکھیے، اقبال نے بھی عشق کے خلاف لکھا ہے۔" میں نے کہا: "بتاؤ کیا لکھا ہے؟" ان کے پاس یہ دو شعر ایک کاغذ پر لکھے ہوئے تھے جو انھوں نے غالباً کسی سے سُنے تھے:

؎ چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند + کرتے ہیں رُوح کو خوابیدہ بدن کو بیدار

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس + آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

میں نے انہیں بتایا کہ یہ دو شعر "ضربِ کلیم" میں ہیں، اور پورا قطعہ، جس کا عنوان ہے "ہنروران ہند" چار شعر کا ہے۔ یہ آخر کے دو شعر ہیں، پہلے دو شعر یہ ہیں:

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیّل ان کا + ان کے اندیشۂ تاریک میں قوموں کے مزار!

موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں + زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بیزار!

ان چاروں کو ملا کر پڑھو، تو تمہیں معلوم ہو گا کہ "مقامات بلند" سے مراد مقامات "عشق و مستی" ہیں، گویا شاعر کا مقصود یہ ہے کہ "ہنروران ہند" مجاز پر مٹے ہوئے ہیں اور "عشق و مستی" یعنی حقیقت سے دُور ہیں"۔

ان مثالوں کے بیان کرنے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ ہمارے عزیز طالب علم دوست خود محنت سے کام لیں اور غور سے کتابوں کا مطالعہ کریں تاکہ ان میں براہ راست علمی و ادبی تحقیق کا شوق پیدا ہو۔

اب ہم اشعار نقل کرتے ہیں:۔

دردؔ

؎ پوچھ مت قافلۂ عشق کدھر جاتا ہے + راہ رو آپ سے اس رہ میں گذر جاتا ہے

؎ ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے + میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے ✦ آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے

قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے ✦ اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

اطفائے نار عشق نہ ہو آب اشک سے ✦ یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

مست شراب عشق وہ بیخود ہے جس کو حشر ✦ اے درد چاہے لائے بخود پر نہ لا سکے

سو بار سوز عشق نے دی آگ پر ہنوز ✦ دل وہ کباب ہے کہ جگر خام رہ گیا

اے درد چھوڑتا ہی نہیں مجھکو جذب عشق ✦ کچھ کہربا سے بس نہ چلے برگ کاہ کا

میخانۂ عشق میں تو آ نے درد ✦ تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں ✦ ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

نہیں چلتا ہے کچھ اپنا تو تیرے عشق کے آگے ✦ ہمارے دل پہ کوئی اور تو زور ہو نہیں سکتا

ہائے یہ داغ عشق ہوا شہریار دل ✦ مدت سے بے چراغ پڑا تھا دیار دل

سب خون دل ٹپک ہی گیا بوند بوند کر ✦ اے درد بسکہ عشق سے میں تھا شکستہ دل

برنگ شعلہ غم عشق ہم سے روشن ہے ✦ کہ بے قراری کو ہم برقرار رکھتے ہیں

ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تجھ پر ✦ مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

نہ برق ہیں نہ شرر ہم نہ شعلہ نے سیماب ✦ وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

گر نازکی عشق تجھے رنگ دکھائے ✦ ہر سنگ میں شیشہ ہے بہر شیشہ پری ہے

آتش عشق قہر آفت ہے ✦ ایک بجلی سی آن پڑتی ہے

پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے ✦ اس آگ سے سوختہ جگر ہے

غالبؔ رح

ہوں گرمی نشاط تصور سے نغمہ سنج ✦ میں عندلیب گلشن ناآفریدہ ہوں

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں ✦ ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا ✦ درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

؎ دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا + عشقِ نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا

؎ سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ اُلفتِ ہستی + عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

؎ مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے + خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا

؎ گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی + یہ جنونِ عشق کے انداز چھُٹ جائینگے کیا

؎ غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ بچیں کہاں کہ دل ہے + غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

؎ دل ہر قطرہ ہے سازِ اَنَا البحر + ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

؎ ہر بُنِ مُو سے دمِ ذکر نہ ٹپکے خونناب + حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا

؎ سو بار بندِ عشق سے آزاد ہم ہوئے + پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

؎ سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی + ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبستاں سمجھا

؎ عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا + جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

؎ جگر کو مرے عشقِ خوننابہ مشرب + لکھے ہے خداوندِ نعمت سلامت

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے + شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق + ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالب + کس کے گھر جائیگا سیلابِ بلا میرے بعد

؎ فارغ مجھے نہ جان کہ مانندِ صبح و مہر + ہے داغِ عشق زینتِ جیبِ کفن ہنوز

؎ نشاط داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ + شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانیٔ شمع

؎ عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب + دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

؎ رونقِ ہستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے + انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

عشق تاثیر سے نومید نہیں + جاں سپاری شجرِ بید نہیں

ہے تجلی تری سامانِ وجود + ذرہ بے پرتوِ خورشید نہیں

؎ حسرت اے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی + عشقِ پُر عربدہ کی گوں تنِ رنجور نہیں

ے بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں ✦ طاقت بقدر لذت دیدار بھی نہیں

ے ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ ✦ سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں

ے ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے ✦ پرتو سے آفتاب کے ذرّے میں جان ہے

ے ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی ✦ اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

سختی کشان عشق کی پوچھے ہے کیا خبر ✦ وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

اہل ہوس کی فتح ہے ترک نبرد عشق ✦ جو پاؤں اٹھ گئے وہی ان کے علم ہوئے

ے عشق کی راہ میں ہے چرخ مکوکب کی وہ چال ✦ سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

ے عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب ✦ کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

حالیؔ

ے جنّت میں تو نہیں اگر اے زخم تیغ عشق ✦ بدلینگے تجھ کو زندگی جاوداں سے ہم

غزلیات قدیم

پیش از ظہور عشق کسی کا نشاں نہ تھا ✦ تھا حسن میزبان کوئی میہماں نہ تھا

دردا کہ لب پہ راز دل آیا نہ تھا ہنوز ✦ چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا

ے اے دل رضائے غیر ہے شرط رضائے دوست ✦ زنہار بار عشق اٹھایا نہ جائے گا

ے سمجھ کر کرو قتل حالی کو دیکھو ✦ مٹاؤ نہ عشق و جوانی کی صورت

اک عمر چاہئے کہ گوارا ہو نیش عشق ✦ رکھی ہے آج لذت زخم جگر کہاں

ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی ✦ دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

ے قیس ہو کوہکن ہو یا حالی ✦ عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

ے عشق نے مصر میں سو بار زلیخا سے کہا ✦ فتنۂ دہر ہے جو حسن وہ کنعاں میں نہیں

ے غم فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشوار نہیں ✦ شادیٔ وصل بھی عاشق کو سزاوار نہیں

نہیں جز گریۂ غم حاصلِ عشق + ہماری چشمِ دریا بار سے پوچھ

نہیں آبِ بقا جز جلوۂ دوست + کسی لبِ تشنۂ دیدار سے پوچھ

؎ وادیٔ عشق میں موسیٰؑ کو ہو گر رخصتِ دید + ہاتھ کٹوائیں جو پھر کفش و عصا یاد رہے

وصلِ جاناں محال ٹھیرایا + قتلِ عاشق روا کیا تُو نے

تھا نہ جز غم بساطِ عاشق میں + غم کو راحت فزا کیا تُو نے

تھی جہاں کارواں کو دینی راہ + عشق کو رہنما کیا تُو نے

ناؤ بھر کر جہاں ڈبونی تھی + عقل کو ناخدا کیا تُو نے

عشق کو تابِ انتظار نہ تھی + غرفہ اک دل میں وا کیا تُو نے

غزلیاتِ جدید

عشق: لاگ اور لگاوٹ دو تو ہیں دلگداز تیرے + پتھر کے دل تھے جن کے اُنکو رلا کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگیں روداد تیری دلکش + شعر و سخن کا تُو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا + اُسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

ترے تجھے عشق اسوقت سے سر پر مرے منڈلاتا تھا + گودیوں میں مجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا

عشق سُنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید + خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

؎ تعزیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب + بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

؎ (قربِ حق کیلئے کچھ سوزِ نہاں بھی ہے ضرور + خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اے زاہد)

مرثیۂ دہلی: جتنے رہنے تھے ترے ہو گئے ویراں اے عشق + آکے ویرانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز

کوچ سب کر گئے دلّی سے ترے قدر شناس + قدر یاں رہ کے اب اپنی نہ گنوانا ہرگز

؎ عشق کی آنچ اُس میں پاتا ہوں + دل ذرا دیکھتا ہوں جس کا گداز

عشق کو ترکِ جنوں سے کیا غرض + چرخِ گرداں کو سکوں سے کیا غرض

دا ہے اے خضر گر صدقِ طلب + راہرو کو رہنموں سے کیا غرض

حاجیو ہے ہم کو گھر والے سے کام + گھر کے محراب و ستوں سے کیا غرض

دوست ہیں جب زخم دل سے بے خبر + اُن کو اپنے اشک خوں سے کیا غرض

عشق سے ہے مجتنب زاہد عبث + شیر کو صید زبوں سے کیا غرض

عشق و جوانی: اے بہار زندگانی الوداع + اے شباب اے شادمانی الوداع

فرصت عشق و جوانی الفراق + دَور عیش و کامرانی الوداع

تجھ کو سمجھے تھے نعیم جاوداں + اے نعیم جاودانی الوداع

تیرے جاتے ہی گئیں سب خوبیاں + اے خدا کی مہربانی الوداع

۔ وہ عشق ہے نہ جوانی وہ تُو ہے اب نہ وہ ہم + پہ دل پہ نقش ہے ابتک تری ادا ایک ایک

ے دل میں درد عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر + پر اُسے آلودۂ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم

ے (کہتے ہیں جسکو جنت وہ اک جھلک ہے تیری + سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں)

عشق و ہوس: بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں + ہیں مئے ناب کے دلدال قدح خوار نہیں

بوالہوس کام طلب بندۂ نفس، اہل ہوا + ایک عالم ہے اسی رنگ میں دوچار نہیں

دعوئ عشق و محبت پہ نہ جانا ان کے + ان میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں

کہے حالی بھی اگر عاشق صادق ہوں میں + کہدو واللہ کہ صادق نہیں زنہار نہیں

ے عاشق کے دل کو ٹھنڈک جو تیری آگ میں ہے + دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی

عشق اُدھر عقل اِدھر دُھن میں چلے ہیں تیرے + رستہ اب دیکھئے دونوں میں کٹھن کس کا ہے

شان دیکھی نہیں گر تو نے چمن میں اُس کی + ولولہ تجھ میں یہ اے مرغ چمن کس کا ہے

آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہل نظر کی تم پر + تم میں رُوپ ہے گل و نسرین و سمن کس کا ہے

(سامنا ہے موت کا ہونا محبت سے دوچار + آئے اس میدان میں زاہد اگر کچھ جان ہے)

(ہم نے زادِ دل سے پڑھی ہے یہ کتاب آخر تک + ہم سے پوچھے کوئی ہوتی ہے محبت کیسی)

ے دارا و جم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے + نرخ متاع عشق الٰہی گراں رہے

اقبالؒ

؎ بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے ٭ مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

حقیقت ایمان کی روح سے سرشار ہو کر علامہ اقبالؒ نے عشق کے متعلق ایسے بلند اور پاکیزہ مضامین باندھے ہیں کہ اہل دل پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

علم و عشق: علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن ٭ عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن

بندۂ تخمین و ظن! کرم کتابی نہ بن ٭ عشق سراپا حضور علم سراپا حجاب!

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات ٭ علم مقام صفات، عشق تماشائی ذات

عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات ٭ علم ہے پیدا سوال عشق ہے پنہاں جواب!

عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں ٭ عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج و نگیں

عشق مکان و مکیں، عشق زمان و زمیں ٭ عشق سراپا یقیں، اور یقیں فتح باب!

شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام ٭ شورش طوفاں حلال، لذت ساحل حرام

عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام ٭ علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے اُم الکتاب!

الفقر فخری: کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے ٭ وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی

(مقام عشق و مستی) خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی ٭ یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی

یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار ٭ اسی مقام سے آدم ہے ظل سبحانی

یہ جبر و قہر نہیں ہے یہ عشق و مستی ہے ٭ کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہانبانی

؎ خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل ٭ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

؎ یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ٭ ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

؎ پیدا ہے فقط حلقۂ ارباب جنوں میں ٭ وہ عقل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شرر سے

کافر و مومن: کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے ٭ مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

عشق و فقر: تیری متاع حیات علم و ہنر کا سرور + میری متاع حیات ایک دل ناصبور

خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم + عشق ہو جس کا جسور، فقر ہو جس کا غیور

مومن: تقدیر کے پابند نباتات و جمادات + مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

حق و باطل: صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیلؑ نے + جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے + شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

ے مہر و مہ و مشتری چند نفس کا فروغ + عشق سے ہے پائدار تیری خودی کا وجود

ہنروران ہند: عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا + ان کے اندیشۂ تاریک میں قوموں کے مزار

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند + کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس + آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

عشق و ہوس: عشق طینت میں فرومایہ نہیں مثل ہوس + پر شہباز سے ممکن نہیں پرواز مگس

دل: ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یارب + جل گئی مزرع ہستی تو اگا دانۂ دل

عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے + برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

چاند: میں رہ منزل میں ہوں تو بھی رہ منزل میں ہے + تیری محفل میں جو خاموشی ہے میرے دل میں ہے

تو طلب خو ہے تو میرا بھی یہی دستور ہے + چاندنی ہے نور تیرا، عشق میرا نور ہے

حسن و عشق: خاص انسان سے کچھ حسن کا احساس نہیں + صورت دل ہے یہ ہر چیز کے باطن میں مکیں

شیشۂ دہر میں مانند مئے ناب ہے عشق + روح خورشید ہے، خون رگ مہتاب ہے عشق

جاودانی عشق: ہے ابد کے نسخۂ دیرینہ کی تمہید عشق + عقل انسانی ہے فانی، زندہ جاوید عشق

عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے + عشق سوز زندگی ہے، تا ابد پائندہ ہے

عشق و عقل: پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل + عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق + عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل + عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی

شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی + تو ہے زُنّاریٔ بُت خانۂ ایّام ابھی

؎ بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھکو + یہ میری خود نگہداری مرا ساحل نہ بن جائے

؎ عشق کی تیغ جگر دار اُڑا لی کس نے؟ + علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!

؎ مرے ہم صفیر اسے بھی اثرِ بہار سمجھے + انھیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ

؎ بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی + کیا ہے اُس نے فقیروں کو وارثِ پرویز

عشق: عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم + عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دمبدم

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق + شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

؎ عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام + اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

رسولِ پاک: وہ دانائے سُبُل ختم الرسل مولائے کُل جس نے + غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر + وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

من کی دُنیا: من کی دُنیا؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق + تن کی دُنیا؟ تن کی دنیا سُود و سودا مکر و فن

مرگِ عشق: عشق بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا + نقش و نگارِ دیر میں خونِ جگر نہ کر تلف

کھول کے کیا بیاں کروں سرِّ مقامِ مرگِ عشق + عشق ہے مرگِ باشرف مرگِ حیات بے شرف

تعلیمِ عشق: جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی + کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی + اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

؎ حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی + سمجھ میں اسقدر آیا کہ دل کی موت ہے دُوری

مقامِ مومن: ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں + ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

مقامِ بندۂ مومن کا ہے ورائے سپہر + زمیں سے تا بہ ثریا تمام لات و منات

عشق و مستی: جمالِ عشق و مستی نے نوازی + جلالِ عشق و مستی بے نیازی

کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدر + زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی

شہادت: دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو + عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن + نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

عشق و عقل: تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا + عشق تمام مصطفیٰ، عقل تمام بولہب

شوقِ دوست: شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام + میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے + عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

نقشِ ناتمام: عقل ہے بے زمام ابھی، عشق ہے بے مقام ابھی + نقش گرِ ازل! ترا نقش ہے ناتمام ابھی

دانش و دین و علم و فن، بندگیٔ ہوس تمام + عشق گرہ کشای کا فیض نہیں ہے عام ابھی

جوہرِ زندگی ہے عشق، جوہرِ عشق ہے خودی + آہ کہ ہے یہ تیغِ تیز پردگیٔ نیام ابھی

خاتمہ

وَلَا تَہِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ
(آلِ عمران : ۱۳۹)

؎ فاتحِ ایام ہے مردِ مسلماں کا عشق + خوفِ مسلماں کو کیا گردشِ ایام سے
(لالۂ صحرا)

اس مختصر مقالے کے تمام مباحث و شواہد کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کے عناصر یقین اور محبت ہیں، اور اس کا لب لباب زبردست جذبۂ محبتِ الٰہی ہے، جسے ہمارے شعراء ربانی اور صوفی مفکرین لفظ عشق سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی جذبۂ عشق، حقیقی معنوں میں کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت ہے۔ بس وہ عشق جس کے انوار و تجلّیات کا پرتو، اہلِ دل اور اربابِ نظر کو ہماری نظم "لالہ صحرا" میں نظر آئیگا، عشق ہے مومنوں کا اور موحدوں کا، مجاہدوں کا اور غازیوں کا، شہیدوں کا اور شہسوارانِ حق کا ـــــ

کتاب و سنّت کے شواہد سے یہ نکتہ واضح ہو چکا ہے کہ عشقِ خدا کے ساتھ عشقِ رسول بھی ایمان کی بنیاد ہے، گویا پورا کلمہ ہے : لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ۔ اسی بنا پر "لالہ صحرا" کا لب لباب یہ شعر ہے :

اپنی شریعت ہے کیا؟ اپنی طریقت ہے کیا؟
عشقِ خداوند پاک ، عشقِ رسولِ امیں

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ "عشقِ خداوند پاک" اور "عشقِ رسولِ امیں" کا مفہوم عملی حیثیت سے کس طرح متشکّل ہوگا؟ ہماری تحقیق یہ ہے کہ

رسولِ پاک کی پوری پیروی کر کے یعنی اپنی زندگی کو حضورؐ کی زندگی کے سانچے میں ڈھال کر، خدائی اخلاق و اوصاف پیدا کرنا، عشقِ خدا و رسولؐ کی عملی صورت ہے۔

خدا تعالٰے تو محبوبِ حقیقی ہے ہی، لیکن اس محبوب کے اوصاف اور ان کا تصور پیدا کرنے کے لئے

ہمارے پاس نمونہ رسول اللہ کا ہے: اسلئے جب تک حضور سرورِ کائنات کو محبوب بنا کر تمام جزئیات حیات میں آپ کی پیروی نہ کی جائے، اُس محبوبِ حقیقی کے اخلاق پیدا نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۱)

ذیل کے اشعار میں علامہ اقبالؒ اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

معنیٔ حرفم کنی تحقیق اگر ✦ بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر
قوت قلب و جگر گردد نبیؐ ✦ از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

حدیث شریف میں ہے: تخلقوا بأخلاق اللہ، اپنے اندر خدائی اخلاق و اوصاف پیدا کرو۔ یعنی محبوب کی ہر آن محبوب ہونی چاہئے، جو اوصاف اُس کے ہیں انہی کو پیدا کرنے کی ہمیں زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہئے۔ یہ ہے عشق خداوند پاک۔

قرآن پاک میں فرماتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱) یعنی رسولؐ پاک کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے، اسکی پیروی کرو۔ یہ ہے عشق رسولؐ امیں۔

شان ربانی کے دو پہلو ہیں: جمالی اور جلالی۔ قرآن مجید میں فرماتا ہے: قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف: ۱۵۶) یعنی خدا نے فرمایا میرے عذاب کا یہ حال ہے کہ جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں، اور رحمت کا حال یہ ہے کہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ یعنی شان جمالی زیادہ ظاہر ہے اور تمام عالم پر محیط ہے۔ لیکن شان جلالی جب وہ چاہے ظاہر ہوتی ہے، ہمیشہ صاعقہ بار نہیں ہوتی۔ مومن کے عشق کی بھی دو نو صورتیں یعنی جمالی اور جلالی ہونی چاہئیں: جمالی تو ہر وقت ظاہر ہو اور مخلوق الٰہی پر رحمت و شفقت کی شکل اختیار کرے، اور جلالی جب کبھی حالات و واقعات کا اقتضا ہو۔ رسول کریم کے متعلق جو قرآن پاک میں فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیا: ۱۰۷) یعنی ہم نے تمہیں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، تو اس کا یہی معنی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی شان جمالی زیادہ آشکار ہے اور ہمیشہ جہان کے لئے رحمت ثابت ہوتی رہیگی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضورؐ کی سیرت کا یہ پہلو نہایت نمایاں تھا اور اسکی جھلک ہمیشہ نظر آتی رہتی ہے، لیکن غزوات اور بدی کا قلع قمع کرنے

والی دوسری صورتیں حضورؐ کے سوانح حیات میں حالات و واقعات کے اقتضا کے مطابق ظہور میں آتی رہیں، اور ہر وقت جلوہ افروز نہیں ہوتی تھیں۔

"جاوید نامہ" میں علامہ اقبالؒ، جمال او جلال کے بجائے دلبری اور قاہری کی اصطلاحیں استعمال کر کے اسی حقیقت کو حلاج کی زبان سے بیان فرماتے ہیں:۔

زندہ رُود (اقبال): کم شناسم عشق را این کار چیست؟ + ذوق دیدار است پس دیدار چیست؟

حلاج: معنیٔ دیدار آن آخر زمان + حکم او بر خویشتن کردن روان

در جہان زی چون رسول انس و جان + تا چو او باشی قبول انس و جان

باز خود را بین ہمیں دیدار اوست + سُنّت اُو سِرّی از اسرار اوست

زندہ رُود: چیست دیدار خدائے نُہ سپہر + آنکہ بی حکمش نگردد ماہ و مہر؟

حلاج: نقش حق اول بجان انداختن + باز او را در جہان انداختن

نقش جان تا در جہان گردد تمام + می شود دیدار حق دیدار عام

نقش حق داری؟ جہان نخچیر تست + ہم عنان تقدیر با تدبیر تُست

زندہ رُود: نقش حق را در جہان انداختند + من نمی دانم چسان انداختند؟

حلاج: یا بزور دلبری انداختند + یا بزور قاہری انداختند!

زانکہ حق در دلبری پیدا تر است + دلبری از قاہری اولیٰ تر است!

اب ہم اس مقالے کو ختم کرتے ہیں، اور اپنے عزیز و مکرم احباب و رفقاء سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس مقالے کا گہری نظر سے مطالعہ کر کے "لالہ صحرا" کے مضامین و مطالب کو بنظر غور و انصاف ملاحظہ فرمائینگے۔

ضمیمہ

عقل ہے بے زمام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی + نقش گر ازل ترا نقش ہے ناتمام ابھی
دانش و دین و علم و فن، بندگیٔ ہوس تمام + عشق گرہ کشای کا فیض نہیں ہے عام ابھی
جوہرِ زندگی ہے عشق، جوہرِ عشق ہے خودی + آہ کہ ہے یہ تیغِ تیز پردگیٔ نیام ابھی
(اقبالؒ : بالِ جبریل)

جس مقصد کے پیشِ نظر مقالہ "نقشِ حق" لکھا گیا تھا، خداوند کریم کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس کے حصول میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے۔ جہانتک ان عزیز طالبعلم دوستوں کا تعلق ہے جنکی خواہش پر وہ مقالہ سپردِ قلم کیا گیا تھا، ذیل کے نتائج مترتب ہوئے ہیں :-

(۱) لفظ عشق کی جامعیت پیشِ نظر ہو گئی ہے، اور "عقل و عشق" کی شاعرانہ اصطلاحیں اور اساتذۂ شعرائے ربانی کے ہاں انکا استعمال واضح ہوتے جا رہے ہیں۔

(۲) اساتذۂ شعرا کے کلام کے اقتباسات پڑھنے سے اُنکے مزید مطالعہ کا شوق پیدا ہو رہا ہے۔

(۳) ایمان کی حقیقت اور مومنوں اور منافقوں کے اعمال و خصائص معلوم ہو جانے سے قدرتی طور پر تعلیماتِ قرآنی کی روشنی میں اپنے اخلاق و اعمال کا جائزہ لینے کی خواہش پیدا ہو رہی ہے۔

(۴) پہلے عشق کا لفظ پڑھنے یا سننے سے عام طور پر ذہن مجازی محبت اور ہوسناکی کی دنیا کی طرف منتقل ہوتے تھے، اب خیالات کی پرواز عالمِ حقیقت کی جانب ہونے سے جذبۂ محبتِ الٰہی کا مفہوم سامنے آتا ہے۔

ان نتائج کے علاوہ دو اور بڑے فائدے ہوئے ہیں :-

(۱) حضرت الاستاذ علامہ اقبالؒ کی وفات کے بعد کئی ایک رسالوں نے اقبال نمبر شائع کئے۔ انکے کلام پر تبصرہ کے دوران میں عشق کی بحث، خصوصاً فلسفۂ خودی کے سلسلے میں، قدرتی طور پر پیش آجاتی۔ لیکن مضمون نگاروں میں سے کوئی بھی واضح طور پر اس گتھی کو نہیں سلجھاتا۔ مقالہ "نقش حق" ایک مستقل رسالے کی صورت میں چھپ چکا ہے اور بہت سے دوستوں کی نظر سے گذرا ہے۔ عشق و ایمان کے مباحث سے حقیقت عشق واضح ہو گئی ہے۔ ان دوستوں کا بیان ہے کہ اس رسالے کے پڑھ لینے کے بعد تمام اشکال رفع ہو جاتے ہیں۔

(۲) "نقش حق" کی اشاعت سے ایک بہت بڑے فتنے کا انسداد ہو گیا ہے۔ بعض نافہموں نے لفظ عشق اور شعرای ربانی (علی الخصوص رومی اور اقبال) کے خلاف بقول شخصے فی سبیل اللہ "علم جہاد" بلند کر رکھا تھا۔ الحمد للہ یہ فتنہ پیشتر اسکے کہ قیامت بنتا، کچل دیا گیا ہے۔

لیکن منکرین عشق اب بھی موجود ہیں۔

ایک گروہ پر تو یہ شعر صادق آتا ہے: ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم + چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

دوسرے گروہ کے حسب حال یہ شعر ہے: ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر + مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

ایک تیسرا گروہ ہے جو ابھی تک لفظ عشق کے جواز و عدم جواز کی بے معنی و بے سود بحث میں الجھا ہوا ہے۔ یہ مختصر مقالہ اسی گروہ کے لئے لکھا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ رومی، جامی، اقبال وغیرہ شاعر ہیں، اسلام سے واقف نہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے لفظ عشق کا استعمال ناجائز ہے، علماء اسلام کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اسکے استعمال کو ناجائز قرار دیتے اور اسکے خلاف لکھتے ہیں۔

بہت اچھا! آؤ دیکھیں علماء ربانی لفظ عشق کے استعمال کو ناجائز قرار دیتے ہیں، یا حقائق و معارفِ شریعت کی وضاحت کیلئے اسکے استعمال سے ایک لپس منظر کا کام لیتے ہیں؟!

یہ مقالہ چند اقتباسات پر مشتمل ہے جن میں بیشتر مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے مواعظ موسوم بہ "دعوات عبدیت" سے لئے گئے ہیں۔

اقتباسات کے اندراج سے پیشتر چند تمہیدی اشارات ضروری ہیں۔

(۱) مولانا سید سلیمان صاحب ندوی سے راقم الحروف کو بیحد ارادت ہے۔ جناب ممدوح کی بلند پایہ علمی فضیلت کے علاوہ فروری ۱۹۳۲ء میں جب میں بغداد میں تھا، علامہ اقبال رح کے توسط سے معارف سے علمی و ادبی تعلق پیدا ہوا جو بحمد اللہ ابتک قائم ہے۔ ایک سے زیادہ مرتبہ ملتان اور لاہور میں نیاز حاصل ہو چکے ہیں۔ آخری ملاقات اپریل ۱۹۴۱ء میں ہوئی جب جناب ممدوح انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں شرکت کیلئے لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ عشق و ایمان کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس دوران میں انکی کسی بات سے ظاہر نہیں ہوا کہ وہ لفظ عشق کے استعمال کو ناجائز قرار دیتے ہیں، بلکہ اس سلسلے میں انھوں نے چند ایک مشورے دئے جو مفید ثابت ہوئے۔ اتفاق سے انکے چند اشعار مجھے مل گئے ہیں جو رسالہ ظہور لاہور میں شائع ہوئے تھے: ان میں سے دو شعروں میں لفظ عشق استعمال ہوا ہے۔ اس مقالے میں ان دو شعروں کے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۲) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی بہت بڑے عالم اور بزرگ ہیں جنکے روحانی اور علمی فیوض سے ہزاروں نہیں لاکھوں سیراب ہو رہے ہیں۔ جناب ممدوح اُن چند برگزیدہ ہستیوں میں سے ہیں جنکا وجود اس یورپ زدگی اور الحاد کے دور میں سرزمین ہند میں غنیمت ہے۔ قوم نے آپکو حکیم الامت کا خطاب دیا ہے۔ آپکی تصنیفات کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ آپکے مواعظ موسوم بہ "دعوات عبدیت" کئی حصوں میں چھپ چکے ہیں۔ یہاں حصہ سوم، حصہ ششم، اور حصہ ہشتم کے متعدد مواعظ سے وہ اقتباسات درج کئے جاتے ہیں جن میں حقیقت عشق کے ذریعے معارف اسلامی کی تشریح کی گئی ہے۔ عشق کے متعلق رومی اور حافظ کے اشعار کا آپ بہت استعمال فرماتے ہیں۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہؒ "حجۃ اللہ البالغہ" اور "الخیر الکثیر" جیسی بلند پایہ کتابوں کے مصنف اور بارھویں صدی ہجری کے مجدد ہیں۔ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ہندوستان نے ان سے بڑا علوم قرآن وحدیث کا عالم آج تک پیدا نہیں کیا۔ ہندوستان میں ان علوم کی اشاعت کا فخر زیادہ تر انھی کے خاندان کے حصہ میں آیا۔ یوں تو بالعموم اس خانوادۂ علم وفضل کے متعلق یہ شعر صادق آتا ہے کہ

؎ ایں سلسلۂ طلائی ناب است + ایں خانہ تمام آفتاب است۔

لیکن ان میں دو نہایت ممتاز ہستیاں ہیں: ایک خود حضرت شاہ ولی اللہؒ ہیں، اور دوسرے انکے پوتے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جنکی کتاب "صراط مستقیم" سے ہم نقش حق (صفحہ ۱۳ و ۱۴) میں حب ایمانی اور حب عشقی کے متعلق چند اقتباسات درج کر چکے ہیں۔ خود حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب "تفہیمات الٰہیہ" (جلد اول) سے بھی ہم نے عشق کے متعلق ایک اقتباس درج کیا تھا (صفحہ ۱۲)۔ یہاں ہم تفہیمات (جلد دوم) سے چند عبارات نقل کرینگے جن میں لفظ عشق کا استعمال ہے۔ اسی جلد کی ایک تفہیم میں ہمیں خود حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک رباعی مل گئی ہے، وہ بھی ہم نے درج کر دی ہے۔

(۴) مولانا حالیؔ کا ایک فارسی مکتوب مرزا غالب کے نام ہمیں "ضمیمۂ اردو کلیات نظم حالی" میں ملا ہے۔ اسمیں نظیری کے ایک شعر کی تشریح ہے جسمیں عشق کا بیان ہے اور جسکو مرزا غالب نے نظری قرار دیا تھا۔ اس شعر کا مضمون حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس تفہیم کے مضمون سے ملتا جلتا ہے جو اس مقالے میں "تفہیمات" (جلد دوم) کا آخری اقتباس ہے۔

(۵) آخری اقتباس "فیہ ما فیہ" (ملفوظات حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ) سے لیا گیا ہے۔ اس میں ابلیس اور آدم کی حیثیتوں کا اصولی فرق بیان کیا گیا ہے، اور اس نکتہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ عشق آدم کا جوہر ہے اور اس کا لازمہ ادب ہے۔

اب ہم اقتباسات درج کرتے ہیں۔

(۱) مولانا سید سلیمان صاحب ندوی :۔

عشق کے شیشہ پہ جب عکس پڑا حُسن ہوا ✤ کیا ہو گر دیکھنے والا کوئی اے ماہ نہو
سوزشِ خام ہو تب آگ سے اُٹھتا ہے دھواں ✤ عشق کامل کا جو دعویٰ ہے تو پھر آہ نہو
(رسالہ ظّور لاہور: مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۳۱)

(۲) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

"دعوات عبدیت":

وعظ: "ضرورۃ التوبہ" (ساتواں وعظ)

صفحہ ۴: اگر بچنے کی فکر ہے اسکی یہی تدبیر ہے کہ وہ حالت پیدا کرو جیسے ایک غلام کی ہوتی ہے، ہمارا تعلق خدا سے سید اور غلام اور محب اور محبوب کا ہے۔ پس ہم کو ان دو تعلقوں کو غلبہ دینا چاہئے کہ اپنے کو مملوک اور اسی کو مالک اور اپنے کو محب اور اسی کو محبوب سمجھیں۔ ... وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ اور شدت محبت ہی کا نام عشق ہے، پس آپ تو عاشقِ خدا ہو چکے۔

صفحہ ۵: صاحبو! اپنے اندر تصرف کرو کلام اللہ میں تصرف نہ کرو، اپنی آنکھیں کھولو اور اس سے حجاب اٹھاؤ پھر دیکھو کہ تم کو کیا کنز مکنون نظر آتا ہے۔ اور وہ حجاب حبِ دنیا ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ یہ مال وجاہ کی محبت بہت بڑا حجاب ہے۔ ....

صفحہ ۷: ؎ میان عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست ✤ تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

صاحبو! اسکے بعد آپ دیکھینگے کہ آپکے پاس دولت حب خداوندی ضروری ہے۔ بلکہ اہلِ تدقیق تو کہتے ہیں کہ کفار کو بھی خدا تعالیٰ سے محبت ہے کیونکہ قرآن میں کفار کو محرومئ دیدار کی دھمکی دی گئی ہے (اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ) کہ انکو خدا کا دیدار نصیب نہ ہوگا اور محرومی دیدار سے اسی وقت دھمکی ہوسکتی ہے کہ جب انکو خدا سے محبت ہو اور محرومی کی خبر سے انکو تکلیف پہنچے۔ ....

اگر براہ راست خدا سے محبت معلوم نہیں ہوتی تو اس شخص کو کسی سے تو محبت ہوگی، کم از کم اپنی جان سے تو ضرور اسکو محبت ہوگی۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ محبت کسی نہ کسی کمال کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے علم وفضل، حسن صورت، حسن سیرت۔ اور تیسرا مقدمہ یہ ہے اور مسلّم ہے کہ ہر کمال ظل کمال خداوندی ہے تو ہر شخص اگرچہ وہ کسی کا عاشق ہو واقع میں کمال خداوندی کا عاشق ہے۔ اور یہی معنی ہیں محبت خدا کے۔

صفحہ ۸: عشق با مُردہ نباشد پائدار ✦ عشق را باحیّ و با قیّوم دار

عشقہای کز پئے رنگے بود ✦ عشق نبود عاقبت ننگے بود

عاشقی با مُردگان پایندہ نیست ✦ زانکہ مُردہ سُوئے ما آیندہ نیست

صفحہ ۹: غرض جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ عشق کمال سے ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ہر کمال واقع میں کمال خداوندی ہے اگرچہ وہ دوسرے کے اندر نظر آئے تو یہ بات بلاشک ثابت ہوگئی کہ ہر عاشق خدا کا عاشق ہے۔

اسکے معلوم کر لینے کے بعد اب یہ دیکھئے کہ عاشق کے دل میں معشوق کی کتنی عظمت اور وقعت ہوتی ہے

... غرض معشوق کے کسی قسم کے امر و نہی میں اسکو (عاشق کو) ذرا بھی پس و پیش نہ ہوگا ...

... الحاصل جب معلوم ہوا کہ عاشق کو معشوق کے ساتھ یہ برتاؤ چاہیئے اور ہم خدا کے عاشق ہیں جیسا ابھی ثابت ہوا، تو ہمکو بھی اسکے ساتھ یہی برتاؤ رکھنا چاہیئے اور اُسکے احکام کے امتثال میں بے چون و چرا گردن جھکا دینی چاہیئے۔

صفحہ ۱۳: صاحبو! شریعت کے احکام کے ساتھ ہمارا بالکل وہ مذہب ہونا چاہیئے جو عاشق کا معشوق کے ساتھ اور مملوک کا مالک کے ساتھ ہوتا ہے۔

صفحہ ۲۹: کار مردان روشنی و گرمی است ✦ کار دُونان حیلہ و بیشرمی است

روشنی کے یہ معنی ہیں کہ دل میں عرفان اور علم حقیقی پیدا ہوجائے اور گرمی سے مراد محبت ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ جسکو محبوب حقیقی سے محبت ہو اور معرفت حاصل ہو وہ مرد ہے لیکن محبت قلبی صفات میں سے ہے۔ اسکے لوازم: یادِ محبوب، اور

ہر حکم گوشِ قبول سے سننا اور نہایت شوق سے آمادۂ امتثال رہتا ہے یعنی ہر دم کی یاد اور کامل اطاعت۔

صفحہ ۳۲ : ؎ عشق آن شعلہ است کہ چوں بر فروخت + ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

اور اسکی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ ؎

تیغ لا در قتل غیر حق براند + در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت + مرحبا ای عشق شرکت سوز زفت

"دعوات عبدیت" : حصہ ششم

وعظ : "تعظیم الشعائر"

صفحہ ۱۱ : خلاصہ یہ ہے کہ تقویٰ قلب میں ہوتا ہے۔ اسی واسطے جناب رسول ؐ نے صاف لفظوں میں فرمایا: الا ان التقویٰ ھٰھنا، واشار الیٰ صدرہٖ (آگاہ رہو کہ تقویٰ اسجگہ ہے اور آپ نے اپنے قلب مبارک کی طرف اشارہ کیا) جیسا مذکور ہوا، پس ظاہری تقویٰ گلدستے کے پھولوں کی طرح ہے کہ رہتا نہیں، بہت جلد قلعی کھل جاتی ہے۔ سچی بات عمر بھر چلتی ہے۔ اسی حقیقت کی تمنا اور صورت بے معنی کی عدم اعتداد کی نسبت عراقیؒ فرماتے ہیں ؎

صنما رہ قلندر سزد ار بمن نمائی + کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی۔

(یعنی زہد خشک جو حقیقت سے خالی ہے بہت دور دراز کا رستہ ہے مجھے تو طریق عشق میں جو حقیقت ہے مجھے چلائیے)

وعظ "التصدی للغیر" :۔ صفحہ ۵ : حضرت احمد جام" فرماتے ہیں :۔ ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار + دیوانہ باش سلسلہ شد شد، نشد نشد

صفحہ ۹ : مولانا جامیؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ذکر ریائی کرتا ہے، فرمایا کرتا تو ہے، تم تو یہ بھی نہیں کرتے ؎

سودا قمار عشق میں خسرو سے کوہکن + بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز + اے رُوسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

صفحہ ۱۸ : یہ لوگ یعنی مومنین وہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اُنکے قلوب میں ایمان جما دیا ہے اور انکو اپنے

پاس سے رُوحانی تائید کی ہے، دیکھئے اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کا مقتضا یہ ہے کہ اللہ و رسول کے مخالفین کے ساتھ دوستی نہو، اور نیز اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسی دوستی سے بچنا دو چیزوں پر موقوف ہے، اول تصحیح عقائد، اور دوسری بات وہ ہے جسکو رُوح فرمایا ہے۔ رُوح کہتے ہیں حیات کو، اس سے مُراد نسبت مع اللہ ہے جس سے قلب کی حیات ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق + ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

یعنی جس کو عشقِ حقیقی سے روحانی زندگی حاصل ہو گئی وہ اگر مر بھی جائے تو واقع میں بوجہ اسکے کہ اس کو لذتِ قُرب کامل درجہ کی حاصل ہے اسلئے اسکو زندہ کہنا چاہیئے)۔ اور یہی وہ شے ہے جس کو فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً (ہم ان کو ضرور بالضرور پاکیزہ زندگی عطا کرینگے) میں حیٰوۃ طیبہ فرمایا ہے۔

وعظ: "شرف المکالمہ"۔ صفحہ ۹: ؎

حُسنِ خویش از روئے خوباں آشکارا کردۂ + پس بہ چشمِ عاشقاں خود را تماشا کردۂ

حدیث شریف ہے: اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَّ یُحِبُّ الْجَمَالَ ....

علیٰ ہٰذا جسقدر کمالات ہیں وہ سب بالذات حق تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں، چنانچہ بہت سے کمالات نود و نُہ (۹۹) اسماء میں ہیں، وہ سب بالذات حق تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جسکو جس سے کسی کمال کی وجہ سے محبت ہے تو حقیقت میں اُس کا محبوب وہ کمال ہے، اور وہ کمال بالذات حق تعالیٰ کیلئے ہے۔ پس اسکا محبوب حقیقی حق تعالیٰ ہوا۔ مثلاً کسی سے جمال کی وجہ سے محبت ہے تو اس کا محبوب حقیقی جمال ہے خود وہ شخص من حیث ھو ھو نہیں ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب طلوع ہوا اور اسکی شعاعیں دیوار پر واقع ہوئیں، تو کوئی شخص دیوار کے منور ہونے کی وجہ سے اسکا عاشق ہو کر اسکو تکنے لگے تو وہ واقع میں دیوار کا محب نہیں ہے بلکہ آفتاب اسکا محبوب ہے، اور یہ اُس کی غلطی ہے کہ دیوار کو اپنا مقصود سمجھتا ہے۔

عشق با مُردہ نباشد پائدار + عشق را باحی و با قیوم دار
عشقہائے کز پئے رنگے بود + عشق نبود عاقبت ننگے بود

عاشقی بامُردگاں پایندہ نیست + زانکہ مُردہ سُوئے ما آیندہ نیست
غرق عشقے شو کہ غرق است اندریں + عشقہای اولین و آخرین

صفحہ ۲۴: پس ہمت باندھ کر اپنے ہر فعل میں اسکا (خدا تعالیٰ کا) مراقبہ کرو کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ دیکھتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ سنتے ہیں پھر دیکھئے کہ اسکا کیا ثمرہ ہوتا ہے۔ تمام کلفتیں اور مشقتیں آپکو سہل ہوجائینگی اور لطف دائم آپکو ملیگا۔ اسی کی نسبت حضورؐ کو ارشاد ہے: وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (یعنی اے محمدؐ اپنے رب کے حکم کے لئے جمے رہئے اسلئے کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور اپنے پروردگار کی تسبیح حمد کے ساتھ کیجئے یعنی آپ ہم سے باتیں کیجئے۔ جب محب کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ محبوب مجھکو دیکھتا ہے تو مصیبت میں بھی اُسکو لطف آتا ہے ؎

بجرم عشق توام میکشند وغوغائیست + تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

وعظ: "شرط الایمان"۔ صفحہ ۱۱: ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما + وے طبیب جملہ علت ہائے ما

(ترجمہ: ان شعروں میں عشق کی تعریف ہے، مجازاً اُس کو مخاطب کرلیا ہے۔ یعنی اے عشق تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہوجاتے ہیں، تجھ سے تمام بیماریوں کا علاج ہوجاتا ہے)۔

؎ اے دوای نخوت و ناموس ما + اے تو افلاطون و جالینوس ما

(یعنی تجھ سے نخوت و ناموس کا دفعیہ ہوجاتا ہے - تو ہمارے لئے افلاطون اور جالینوس ہے)۔

؎ ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد + او ز حرص و عیب کلی پاک شد

(جسکا جامہ عشق سے چاک ہوگیا، یعنی جسکو عشق حاصل ہوگیا وہ حرص اور تمام نقائص و اخلاق ذمیمہ سے بالکل پاک ہوگیا)۔

"دعوات عبدیت": حصہ ہشتم

وعظ: "اَلدِّیْنُ الْخَالِص" (دوسرا وعظ)

صفحہ ۱۷: شاہ بھیک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مدت دراز تک شیخ (حضرت شاہ ابو المعالیؒ) کی خدمت میں تکلیفیں اٹھائیں۔ ایک واقعہ ان کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ شیخ ان پر خفا ہوگئے اور

فرمایا کہ ہمارے سامنے نہ آنا، چنانچہ یہ حیران و پریشان انبہٹہ کے چاروں طرف پھرتے تھے اور امتثال امر کے سبب سامنے نہ آتے تھے، اس میں یہ حال تھا ؎

اریدُ وصاله ویرید ھجری ✤ فاترک ما ارید لما یرید

(یعنی میں ملنا چاہتا ہوں، محبوب ملنا نہیں چاہتا، تو میں اپنی مرضی کو اُس کی مرضی کے سامنے چھوڑ دیتا ہوں عشق اسی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ مدت تک سامنے نہ آئے۔

صفحہ ۱۸: عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن ✤ دل بدست دگرے دادن و حیران بودن

صفحہ ۲۰ و ۲۱: ؎ آب کم جو تشنگی آور بدست ✤ تا بجوشد آبت از بالا و پست

تشنگاں گر آب جویند از جہاں ✤ آب ہم جوید بعالم تشنگاں

(پانی مت تلاش کرو پیاس پیدا کرو، تاکہ پستی و بلندی سے تمہارے لئے پانی جوش مارے، یعنی اپنے اندر طلب پیدا کرو عنایت حق خود بخود متوجہ ہوگی۔ اگر پانی کے پیاسے طالب ہیں تو پانی بھی پیاسوں کا طالب ہے)

اس میں راز یہ ہے کہ جیسے پیاسے پانی کو ڈھونڈھتے ہیں پانی بھی پیاسوں کا طالب ہے۔ اسی طرح جیسے تم طالب عنایات حق ہو عنایات حق بھی تمہاری طالب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ذرا سی توجہ پر بھی عنایات ہوتی ہیں۔ تم اپنے اندر طلب پیدا کرلو محبوب خود بخود متوجہ ہوگا۔ کہتے ہیں ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد ✤ ای خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

(جو بھی عاشق ہوا ہے محبوب نے ضرور اسکے حال پر نظر کی ہے، حق یہ ہے کہ درد یعنی طلب ہی نہیں ورنہ طبیب یعنی عنایت حق تو ہر وقت موجود ہے)۔

حقیقت میں طلب ہی نہیں ورنہ خدا کے یہاں سے کوئی کمی نہیں۔ غرض اس بھروسے نہ رہنا کہ بدوں کچھ کئے ایک نظر پڑ جاویگی اور کامل ہو جاؤ گے، نظر بھی جب ہی پڑیگی جب طلب ہوگی۔

وعظ: "وحدة الحُبّ" (پانچواں وعظ)

صفحہ ۲۰ و ۲۱: ایک صاحب حافظ شیرازیؒ کی بابت مجھ سے بہت لڑے کہ انکو اچھا کیوں کہتے ہو، میں نے کہا کہ اُنکے کلام میں بڑے بڑے علم موجود ہیں، کہنے لگے کہ سب حُسن ظن ہے جس سے ان کے کلام کو علوم محمودہ پہ منطبق کر لیا جاتا ہے، میں نے کہا کہ آپ ایسے علوم دوسرے شعراء کے کلام میں نکال دیجئے اور منطبق کر دیجئے۔ غرض وہ شعر یہ تھے :

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت ✤ واندر آن برگ و نوا خوش نالہای زار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست ✤ گفت ما را جلوۂ معشوق در این کار داشت

حقیقت میں عشاق کا حال ہی جدا ہوتا ہے۔ مجھے یاد آتی ابی رضی بن کعب کی حکایت کہ ایک بار حضور صلعم نے ان سے فرمایا کہ اے ابی رض مجھے خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم کو قرآن سناؤں، حضرت ابی رض نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا حق تعالیٰ نے میرا نام لے کر فرمایا ہے؟ حضور رض نے فرمایا: "ہاں"۔ حضرت ابی رض ابن کعب رونے لگے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب رح کے سامنے ایک طالب علم نے کہا کہ کیوں روئے خوش ہونا چاہیئے تھا، فرمایا: کو دن تو کیا جانے، واقعی جس پر گذرتی ہے وہی خوب سمجھتا ہے۔

تو رونا کبھی کمال قرب میں بھی ہوا کرتا ہے، چنانچہ حضور صلعم کا وجد اسی قسم کا ہوا کرتا تھا۔ پس جس طرح انواع وجد مختلف ہیں اسی طرح انواع محبت کے بھی۔ مگر یہ امر سب محبان حق میں مشترک ہے کہ غیر حق کی محبت انکے دل میں محبت حق سے زیادہ نہیں ہوتی، اور تعلق مضر وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی محبت سے بڑھ جائے، اور ہمیشہ کلفت تعلق مع غیر اللہ سے پہنچتی ہے۔

صفحہ ۳۳: پس پیر کا اتنا ادب کرنا کہ رسول و والدین کا بھی اتنا حق نہ سمجھے یقیناً غلو فی العمل ہے جس کی اصلاح واجب ہے۔ زیادہ سے زیادہ پیر کا حق والدین کے برابر رکھو اگرچہ واقعی اس سے بھی کم ہے، اور واقع میں تو اتنا ہے کہ جتنا حق استاد کا سمجھتے ہو اتنا سمجھو۔ اب تو پیر کا ادب خدا تعالیٰ کے برابر کرتے ہیں کہ اگر سجدہ کا بھی حکم کرے تو شاید کر لیں، اور استدلال میں حضرت حافظ رح کا شعر پڑھتے ہیں: ؎

بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید ✤ کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

اور یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اگر پیر شراب خوری کا بھی حکم کرے تو بجا لاؤ کیونکہ وہ منزل سے واقف ہے، تمہارے حق میں بھی مفید ہوگا۔ استغفر اللہ حضرت حافظ رح کا یہ مطلب ہرگز نہیں، بلکہ مے سے مراد طریق عشق ہے اور سجادہ سے مراد تقلب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سلوک میں ایک طریق اعمال کا ہے اور ایک طریق جذب و محبت کا ہے۔ پس اگر شیخ نے تمہارے لئے طریق محبت و جذب تجویز کیا ہو اور تمہاری رائے میں طریقہ عمل مناسب ہو تو اسکو دل میں جگہ دو اور اپنی تجویز کو چھوڑ دو کیونکہ عارف سالک اس منزل کی راہ و رسم سے ناواقف نہیں ہوتا۔ اور جو معنی مشہور ہیں وہ بالکل غلط ہیں، کیونکہ ہم نے تو پیر اسواسطے بنایا ہے تاکہ خدا تعالیٰ

کی رضامندی کا راستہ بتادے، اگر وہ راستہ نہ بتادے بلکہ راہ سے ہٹادے تو اسکی پیروی ہرگز جائز نہیں۔

صفحہ ۳۵ : اصل چیز نسبت مع اللہ ہے، اور نسبت مع غیر اللہ بھی بقدر ضرورت جائز ہے بشرطیکہ خدا تعالیٰ کی محبت سے کم رہے۔ تعلق غیر اللہ میں دنیوی اور اُخروی ہر طرح کا خسارہ ہے، جس کسی کو تکلیف و پریشانی میں مبتلا دیکھا جائے سمجھنا چاہئے کہ اسکو غیر اللہ کے ساتھ تعلق زیادہ ہے، اس تعلق کو قطع کر دو، تکلیف جاتی رہیگی، یہ طریقہ تمام دنیا کی تکالیف کا خاتمہ کر دینے والا ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

اللهم اجعل حبك احب الاشياء الی و اجعل خشيتك اخوف الاشياء عندی الخ (اے اللہ تعالیٰ اپنی محبت کو میرے دل میں سب سے زیادہ محبوب بنادے اور اپنا خوف میرے دل میں سب سے زیادہ پیدا کر دے الخ) سبحان اللہ! کیا جامع دعا ہے۔ حضورؐ نے دو ہی لفظوں میں سب تعلقات کو کھپا دیا کہ سارے تعلقات اس حد تک ہونے چاہئیں کہ خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی کی محبت نہ ہو اور نہ خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی کا ڈر ہو۔

وعظ "شعب الایمان" (چھٹا وعظ)۔

صفحہ ۱۹ و ۲۰ : عبادات میں صبر یہ ہے کہ گو عبادت میں حظ اور مزہ نہ آئے مگر عبادت کرتے رہیں۔ اسوقت لوگ بڑی غلطی میں مبتلا ہیں کہ مزہ کے طالب ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ عاشق نہیں، اگر عاشق ہوتے تو انکو لذت عشق ہی کافی ہوتی کسی مزہ کے طالب نہوتے۔ بعض دفعہ لذت عشق ایسی بڑھ جاتی ہے کہ عاشق کو محبوب کے وصال کی بھی پرواہ نہیں رہتی۔ مگر یہ حال عشق مجازی میں ہو سکتا ہے، کوئی یہ نہ خیال کرے کہ خدا کی محبت بھی کبھی نعوذ باللہ ایسی ہو سکتی ہے کہ خدا سے بے پرواہ کر دے، اس کا راز یہ ہے کہ محبوب حادث سبب حدوث محبت کا ہے نہ کہ بقاء محبت کا، تو محبوب حادث کی محبت بدون اسکے باقی رہ سکتی ہے کیونکہ بقاء میں اسکو دخل نہیں، اور محبوب قدیم خداوند جل جلالہٗ عم نوالہٗ کی ذات جیسے سبب حدوث محبت ہے سبب بقاء محبت بھی ہے، اسلئے محب خدا کبھی اس سے بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔ اور اس سے یہ راز بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ غیر اللہ کے عشق کو عشق مجازی اور خدا کی محبت کو عشق حقیقی کیوں کہتے ہیں۔ حقیقی اور اصلی محبت وہی ہے جس میں کسی وقت محبوب سے استغناء نہو سکے، اور وہ محبت نام کی محبت ہے جس میں محبوب سے استغناء ہو سکتا ہے . . . . عشق حقیقی تمام چیزوں سے مستغنی کر دیتا ہے بجز محبوب جل وعلا کے، تو جب لذات معاذ اللہ غیر خدا ہیں تو ان کے مطلوب

ہونیکی گنجائش کہاں رہی۔ اسکے درپے ہونا یقیناً غیر اللہ کی طرف توجہ کرنا ہے جو علامت ہے نقصانِ محبت کی۔ جو لذت کا طالب ہے وہ خدا کا طالب نہیں اسکو کہتے ہیں ؎

روزہا گر رفت گورو باک نیست + تو بمان ای آنکہ چون تو پاک نیست

بس زبون وسوسہ باشی دلا + گر طرب را باز دانی از بلا

(یعنی ایام تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہئے، اگر گئے بلا سے گئے، عشق جو اصلی دولت ہے اور سب خرابیوں سے پاک وصاف ہے اسکا رہنا کافی ہے۔ تم بالکل مغلوب وساوس سمجھے جاؤگے اگر طرب (خوشی) و بلا (تکلیف) میں فرق سمجھوگے) حضرت عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں : ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب + کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

(وصل و فراق کوئی چیز نہیں، محبوب کی رضا کی طلب کرو، محبوب سے اسکی رضا کے سوا دوسری چیز طلب کرنا افسوس کی بات ہے)۔

وعظ : "الصیام" (نواں وعظ)۔

صفحہ ۲ : حقیقت یہ ہے کہ جس شخص نے صرف اسباب ہی کو دیکھا ہے اس کی نظر اسباب ہی پر ہے اور اسباب ہی کو وہ مؤثر سمجھتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں :

عقل در اسباب میدارد نظر + عشق مے گوید مسبب را نگر

عشق من پیدا و معشوقم نہان + یار بیرون فتنۂ او در جہان

صفحہ ۵ و ۶ : حضرات صوفیہؒ اس نکتہ کو سمجھے اور انھوں نے فیصلہ کردیا کہ جو ضروری شے ہے یعنی اطاعت اس میں مشغول ہونا چاہئے خودبخود اسرار و حقائق حسب استعداد معلوم ہوجائینگے۔ چنانچہ انکو معلوم ہیں، وہ اہل کے سامنے بیان کرتے ہیں اور نا اہل کی نسبت یہ کہتے ہیں : ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی + بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

صفحہ ۷ :

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسی است + ہشدار و گوش را بہ پیام سروش دار

(یعنی عشق کے راستہ میں شیطان کے وساوس بہت ہیں، ہوش رکھو اور وحی کی طرف کان لگائے رہو)

صفحہ ۸ : حضرت فریدالدین عطارؒ کہتے ہیں :

بی رفیقی ہر کہ شد در راہ عشق   عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

(بغیر رفیق یعنی مرشد جو شخص راہ عشق چلا، اس نے اپنی عمر گنوائی اور عشق سے خبردار نہیں ہوا)۔

. . . .

صفحہ ۱۳ و ۱۴: دیکھو اگر کوئی محبوب یوں کہے کہ ہکو تکتے رہو تو جو عاشق ہوگا وہ کبھی نہ کہیگا کہ کیا دوگے اور اگر کہے تو وہ عاشق نہیں۔ عاشق تو اس اجازت کو غنیمت سمجھے گا اور اس کو عین اپنا مقصود جانیگا۔ ہم کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسی محبت ہونی چاہیئے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے (اور وہ بھی تو اُن کا ہی ہے) اگر وہ سب کچھ لے لیں اور ایک مرتبہ اپنا نام لینے کی اجازت دیں تو واللہ بہت ارزاں ہے۔ ایک بزرگ لکھتے ہیں۔

آنکس کہ ترا شناخت جان را چہ کند   فرزند و عزیز و خان و مان را چہ کند

. . . .

صفحہ ۱۵: گفتگوئے عاشقان در کار رب   جوشش عشق است نے ترک ادب

(عاشقوں کی گفتگو کار رب میں جوشش عشق کی وجہ سے ہے نہ ترک ادب کی وجہ سے)۔

اول جب حال کا غلبہ ہوتا ہے تو یہی کیفیت ہوتی ہے، اور آخر میں یہ کیفیت ہو جاتی ہے:

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق   ہر ہوسناکی نداند جام و سندان باختن

شریعت اور حقیقت دونوں میں اعتدال آجاتا ہے، گویا کہ ایک میزان ہے کہ اُسکے دونوں پلے بالکل برابر ہیں گیا ممکن ہے کہ ایک میں بھی اختلال آجاوے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ

تفہیمات الٰہیہ: جلد دوم

صفحہ ۱۸۷:

با آنکہ نخست قبلہ گاہ من و تست   ہرگز نشود رابطہ عشق تو سست

صد جای کنی گر سبق عشق درست   عشق تو بود در ہمہ با یار نخست

ہیچ نمیدانید کہ این حالت کے میسر شود، وقتیکہ بندہ با تجلی رحمن رابطہ قوی پیدا کردہ باشد،

نی فی بلکہ پردہ از وجہ وحدت برافگندہ باشد - آنگاہ تنزل وحدت را در ہر نشاۃ از نشأت مشاہدہ کردہ ہمہ نزدیک وے مساوی گشتہ -

صفحہ ۹۰ - ۹۱ :

غرض ما ازین تفصیل آنست کہ نشاط و ہمت خود را در خدا گم کنند و نیک تامل کنند تا بذہن شما حاصل شود کہ ہمت چیست و فنا آن چسان بود - ہیئتے باید پیدا کردن مثل عاشق مجنون مفرط در عشق کہ زبانش خشک شد و چشمانش خشک، اگر طعامی پیش آورند لذت آن در نیابد و اگر شرابی بدو دہند حلاوت و ملوحت آن امتیاز نتواند باوجود سلامت حواس و وفور نشاط . . . .

. . . . جمیع اوقات بیاد داشت صباحاً و مساءً، یوماً و لیلاً، قاعداً و قائماً، بوصف محبت تامہ و تجرید کامل بحیثی کہ غفلت و محبت غیر را بوجہی از وجوہ دخل نماند وہمہ نیست گردند مشغول باید بودن - ؎

یا بجود آتش توان زد یا دلی باید گداخت ✣ گر دماغِ عشق داری این چنینہا کردنی است

صفحہ ۸۹ :

فقیر در بعضی اوقات نشاط دو بیتی کہ گفتہ بود آن را تاثیری دیدہ بودہ است ،

رباعی

ای دوست توئی دیدہ و بینائی من ✣ ہم قوت شنوائی و دانائی من
عشقم تو و ہم تو دل غمدیدہ من ✣ واندر دل غمدیدہ شکیبائی من

صفحہ ۱۰ - ۱۱ :

تفہیم

؎ عشق معشوقان نہان است و ستیر ✣ عشق عاشق با دو صد طبل و نفیر

دل من دو خانہ دارد : یک خانہ معشوقی دیگر خانہ عاشقی - تفصیل این اجمال آنکہ چون حضرت خلاق خود را عاشق شد خلق برامد، معشوقیت ما ہمان معشوقیت است ۔ باز جمال خود دید و عاشق شد، عاشقیت ما ہمان عاشقیت است - لست اقول ان صفتہ تحل فینا او ان صفتنا تحل فیہ او تکون عینہ ، تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا . . . . . .

اگر عاشقم چنانم کہ چون من عاشقی نیست، و اگر معشوقم چنانم کہ چون من معشوقی نیست - عاشقیت من ام .

العاشقیات است و معشوقیت من ام المعشوقیات است - اگر گویم که عاشقیت مجنون و فرہاد شعبہ از شعبہ ہای عاشقیت من است و معشوقیت لیلیٰ و شیرین ظلی از ظلال معشوقیت من است راست گفتہ باشم -

مولانا حالی کا مکتوب مرزا غالب کے نام

عریضہ بنام نامی جناب مرزا اسداللہ خان غالب در بیان معنی شعر نظیری کہ جناب ممدوح آنرا ناقص العیار و نظری قرار دادہ بودند، حسب ایمای آنجناب ،

قبلہ و کعبہ -

سخنی را کہ اندازہ دانان گفتار و اداشناسان معنی از نظر اعتبار انداختہ باشند، گو ہمہ از نظیری و عرفی باشد بہیچ تاویل و توجیہہ طراز قبول نتوان داد، خاصہ ہیچمنے کہ بلد راہ سخن و مرد این فن خودنیم چگونہ این نقش درست تواند نشست - الحق شکستہ را بستن و گسستہ را پیوستن و پارہ را دوختن کاری است بس دشوار، و دشوار تر از ان است طرف شدن با استادان فن و مردان کار، وانگہ با کسیکہ در سخنوری و سخندانی و نکتہ سنجی و نکتہ رانی یگانۂ روزگار بودہ باشد - حقا کہ پاس امتثال امر واجب الاذعان در نظر دارم ، ورنہ در نگارش معنی شعر نظیری کہ مخدوم آن را نظری داشتہ اند ہرگز جرأتی بکار نمیرفت ، چہ مرا کہ ازان چشمہ آب خوردہ ام و ازآن مائدہ زلہ ربودہ ام اگر بفرض محال رای در فہم معنی شعر بر صواب بودہ باشد، در برابر گفتگوی کہ بآن حضرت درمیان آید چارہ جز تسلیم و جواب جز خموشی نیست- للہ الحمد کہ سر از فرمان نہ پیچیدہ ام، اگر سررشتۂ ادب از دست رفتہ است - خطانمودہ ام و چشم آفرین دارم - والتسلیم مع التحیۃ والتکریم -

قال نظیری : ؎

جذب عشقم فی المثل در حُسن پیدا ساختن + خضر چاہِ یوسفم از آب حیوان نیستم

بدانست خاکسار قائل از عشق و حسن درین شعر عشق و حسن مطلق خواستہ است، چنانکہ این ہر دو مفہوم از حدیث قدسی " کنتُ کنزاً مخفیاً فاحببتُ ان اُعرفَ فخلقتُ الخلقَ " مستفاد

می شود۔ کنزِ مخفی ہمان حُسنِ مطلق است، و اقتضای ذاتی کہ از لفظ اُحببتُ متبادر می شود تعبیر از ان بعشق می توان کرد۔ اگرچہ منشای ظہور کنزِ مخفی ہمان اقتضای ذاتی است و بس، امّا اطلاق منشایت بر اعیان موجودات ہم کہ بمنزلۂ علّتِ مادّیہ اند مرآن ظہور را، در امثال مقدمات خطابیہ و شعریہ میتوان کرد۔ قائل دعوی میکند، و در دعویٰ خود صادق است، کہ منکہ از جملۂ اعیان موجودات اتم در پیدا ساختن حسنِ مطلق حکم جذب عشق پیدا کردہ ام، گویا خضرم کہ از چاہ یوسف نشان میدہم نہ آن خضر کہ از آب حیوان نشان دہد۔ پس خود را بجذب عشق، و کنزِ مخفی را کہ عبارت از حُسنِ مطلق است، بیوسف در چاہ افتادہ تشبیہ دادہ است، و وجہ تشبیہ ظاہر است۔

ضمیمۂ اُردو کلیاتِ نظم حالی (نثر فارسی)

(صفحہ ۱۱۱ - ۱۱۲)

اقتباس از ملفوظات مولانا جلال الدین رومی "

این نفس کہ آدمی محل شبہ و اشکال است ہرگز بہیچ وجہ از و نتوان شبہ و اشکال را بُردن مگر کہ عاشق شود، بعد از ان در و اینہا نماند، حبک الشیئ یعمی ویصم۔ ابلیس چون آدم را سجود نکرد و مخالفت امر نمود گفت خلقتنی من نار وخلقتہ من طین، (ذات من از نار است و ذات او از طین) چون شاید کہ اعلیٰ ادنیٰ را سجود کند۔ چون ابلیس را بدین جرم و مقابلگی نمودن و با خدا جدال کردن لعنت کرد و دُور کرد، گفت "یا رب آہ ہمہ را تو کردہ و فتنۂ تو بود مرا لعنت میکنی"۔ و چون آدم گناہ کرد و حق تعالیٰ از بہشتش برون آورد بآدم گفت "ای آدم چون من بر تو گرفتم بگناہیکہ کردی و ترا زجر کردم چرا بمن بحث نکردی، آخر ترا حجت بود بامن میگفتی ہمہ از تست و تو کردی ہرچہ تو خواہی آن شود ہرچہ نخواہی خود بوجود نیاید، این چنین حجت راست مبین و اقع داشتی چرا نگفتی"۔ گفت "یا رب می دانستم لیکن ترک ادب نتوانستم کردن در حضرت، و عشق نگذاشت کہ مؤاخذہ کنم"۔

فیہ ما فیہ (ملفوظات رومی رح)

(صفحہ ۱۱۰)

دارالمصنفین اعظم گڈھ   مورخہ: ۱۹ء

مکرمی   السلام علیکم

۱- صحیح احادیث میں لفظ "عشق" نہیں آیا، البتہ بعض موضوع حدیثوں میں ہے
جیسے من عشق فعف وکتم ومات فھو شھید، یا العشق من غیر ریبۃ کفارۃ
للذنوب۔ دیکھیے المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنۃ للسخاوی
وغیرہ ابن قیم نے روضۃ المحبین میں توضیح کی ہے کہ یہ لفظ قرآن و حدیث اور قدیم عرب شاعری میں بھی نہیں آیا
(ص ۳۰)
۲- البتہ حب کا لفظ آیا ہے، قرآن پاک میں والذین آمنوا اشد حبا للہ، حدیث میں ہے
حتی اکون احب الیہ من نفسہ ووالدہ وولدہ، اور بھی مواقع میں آیا ہے۔
دیکھیے (میرا مضمون اسلام اور محبت الٰہی، شذرات جلد چہارم کتب اسلامی)
اللہ تعالیٰ نے اپنے کو ودود کہا ہے، یعنی محبت سے معمور،
۳- ایمان کا لفظ بے شبہ قرآن پاک و حدیث کا صحیح لفظ ہے،
۴- معارف جاری ہوگا اور فہرست مرسل ہوگی۔ دو نمبر چھپ گئے ہیں،
مدت سے آپ نے معارف کو یاد نہیں کیا

والسلام

[illegible]

۱۰ فروری ۱۹۷۱

نمبر ۵   دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ   مورخہ

مکرم   السلام علیکم

مسرت نامہ کا شکریہ اور نظم کا مزید شکریہ، یہ اشعار نہایت عمدہ ہیں۔ در بارۂ عشق جو لکھا ہے، یہ شرائط صحیح ہیں، مگر ... کی پختہ دلیل ہے، بجز ابن ... ابن ... کی عبارت یہ ہے:

لفظ عشق سے عرب ... بچتے تھے ... الفاظ ... لفظ ہے

وأما العشق فهو أمرّ هذه الأسماء وأخبثها، وقلّ ما ولعت به العرب، وكأنهم ستروا اسمه وكنوا عنه بهذه الأسماء، فلم يكادوا يفصحون به، ولا تكاد تجده في شعرهم القديم، وإنما أولع به المتأخرون، ولم يقع هذا اللفظ في القرآن ولا في السنة إلا في حديث سويد بن سعيد، وسنتكلم عليه إن شاء الله تعالى۔ ولهذا استعمله في كلامهم ابن ... قال

وماذا عسى الواشون أن يتحدثوا   سوى أن يقولوا إنني لك عاشق

شاید یہ موضوع ہے جس میں ہے من عشق فكتم وعف مات شهيدا

قال في الصحاح: العشق فرط الحب، وقد عشقها عشقاً مثل علم علماً،

وعشقاً أيضاً عن الفراء   قال رؤبة

ولم يضعها بين فرك وعشق

روضة المحبين ص ٣٠ طبع دمشق

اہل زبان کا ... مقصود ... اگر ... ہو تو قبول کیجئے، ورنہ ایسے مجبوراً ... اشعار ...

۲۔ "بعثت نبی، محبت الٰہی اور اسلام" سیرت جلد ششم در عقائد میں مذکور ہے۔

۳۔ وحدۃ الوجود: یہ ایک صوفی نظریہ ہے جو عوام صوفیوں میں مشہور ہے

یعنی ایک وجودِ مطلق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ الوجود المطلق هو الله

اب اسی وجودِ مطلق میں تعینات اور تشخصات لگنے سے کائنات پیدا ہوتی ہیں

اس کی مثال جیسے بحرِ ناپیدا کنار آب ہے اور جس میں جیسے اور موجیں ہیں۔ موجیں

اٹھتی ہیں۔ جو محض دریا میں تشخص اور تعین ہوا ہے تا پیدا ہے مگر

اصل میں حباب اور جیسے اور موج، بحر کے سوا کچھ نہیں۔ یا آپ لمبا دھاگہ

لیجئے اور اس میں بہت سی گرہیں ڈال دیجئے۔ دھاگا ایک ہے اور

گرہیں تعینات۔ اشکال کے سوا کچھ نہیں۔ ان گرہوں کو دیکھیے اور کھول دیجئے

تو صرف دھاگا رہ جائے گا۔

خواص کے نزدیک وحدۃ الوجود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ

استغراق اور استحضار اس قدر ہو جاتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں دوسری تمام چیزیں

فانی و معدوم معلوم ہونے لگتی ہیں۔ خدا کے علم کے سامنے ہر ایک علم، اور اس کے

وجود کے سامنے ہر ایک وجود ناقابل شمار ہے۔ جیسے آفتاب کے طلوع ہونے

ستارے، چراغ اور جگنو معدوم یعنی مخفی ہو جاتے ہیں۔ اور صرف آفتاب ہی

آفتاب رہ جاتا ہے۔ اس غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ آفتاب کے طلوع سے ستارے اور جگنو

غروب ہو گئے۔ حالانکہ وہ غروب نہیں ہوتے۔ بلکہ اسی طرح موجود ہیں جیسے رات میں

دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ

نمبر ۔ مورخہ

موجود ہیں۔ اس خیال کی غلطی عوام میں وحدۃ الوجود کے عامیانہ تخیل میں راہ پاگئی ہے، اس کی اصلاح وحدۃ الشہود ہے۔

وحدۃ الشہود یہ ہے کہ تمام مخلوقات مستقل ذاتی وجود سے محروم ہیں، اور حق اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کا عکس اور ظل ہیں، ہمارا وجود اس کے وجود کا، ہمارا علم اس کے علم کا ظل۔ جس طرح سایہ اور ظل فی نفسہ کوئی ذاتی وجود نہیں رکھتا ویسے ہی اسی طرح مخلوقات میں کسی قسم کا ذاتی استقلال وجود نہیں، جس طرح آفتاب کے نور سے ہوا کے ذرے چمک اٹھتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کے انوار سے عالم اور اس کی ہر چیز بنی ہے۔

ان دونوں معنوں کو ذہن میں رکھنے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے جب کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے مکتوب مدنی میں جو ان کے عہد میں شائع ہے تحقیق فرمائی ہے کہ صحیح وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اصلاً حقیقۃً کوئی فرق نہیں۔ فرق صرف تعبیر کا ہے۔

آپ نے مجھ سے پوچھا، اس لئے یہ چند سطریں اپنی سمجھ کے مطابق حوالۂ قلم ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ اس کے بیان کا حق ادا کرنا اس کو پہنچتا ہے جو اس میدان کا راہرو ہے سمجھ جب آواز و نقارہ سے نہ چھپ سکا اور نہ [illegible] اپنی زبان ہلانی چاہئے تھی

ان اللہ ہو الحق وان ما یدعون من دونہ ہو الباطل

وقال النبی صلعم اصدق کلمۃ قالہا لبید الا کل شیء ما خلا اللہ باطل

[illegible] سلیمان

۱۴ ذوالحجہ ۱۳۶۰ھ

اقبال اکادمی